محمد آصف بھلّی

تعریف و ثنا، شکر وحمد اللہ رب العالمین کے لیے
درود وسلام رحمتہ العالمین، خاتم المرسلینؐ کے لیے

میرے قائد کا نظریہ

محمد آصف بھلّی

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

انتساب

سیالکوٹ کی دھرتی پر جنم لینے والے
عظیم شاعر، فلسفی اور عالمگیر ادبی شخصیت

علامہ محمد اقبالؒ

کے نام

جس کے بارے میں قائداعظمؒ کا یہ فرمان ہے کہ
''اگر مجھے اقبالؒ اور سلطنت میں کسی ایک کا
انتخاب کرنا ہو تو میں اقبالؒ کو منتخب کروں گا۔''

فہرست مضامین

............*

قائداعظمؒ اور اسلامی تعلیمات

ایوانِ سیرت رسولؐ سیالکوٹ کا قیام حیاتِ رسولؐ کے موضوع پر تحقیق کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔ پروفیسر محمد عبدالجبار مرحوم کے بعد ایوانِ سیرت رسولؐ میں سیکرٹری جنرل کے فرائض پرویز احمد برکی نے سنبھال رکھے ہیں۔ برکی صاحب ایوانِ سیرت رسولؐ میں آنے والوں کو ایوان کے اغراض ومقاصد سے تو آگاہ کرتے رہتے ہیں، اگلے دن طلباء کے ایک وفد کو میری موجودگی میں پرویز احمد برکی انتہائی پر جوش انداز میں بتا رہے تھے کہ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 1896ء میں صرف بیس سال کی عمر میں برطانیہ کے مشہور ادارے لنکن ان سے بار ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کر لی تھی اور لنکن ان میں قائداعظمؒ نے داخلہ صرف اس وجہ سے لیا تھا کہ وہاں صدر دروازے پر جہاں دنیا کے سب سے بڑے قانون دینے والوں کے نام تحریر کیے گئے تھے،اُن میں سب سے نمایاں نام حضرت محمد ﷺ کا تھا۔ برکی صاحب کہہ رہے تھے کہ قائداعظمؒ حضور نبی کریم ﷺ کے سچے پیروکار تھے اور انھوں نے پوری سیاسی زندگی میں جھوٹ، فریب، مکاری، بددیانتی اور دھوکہ بازی کا سہارا نہیں لیا۔ قائداعظمؒ کی امانت ودیانت کا یہ عالم تھا کہ اُن کے بدترین دشمن بھی کسی معاملے میں ان پر سیاسی بددیانتی کا الزام عائد نہیں کر سکتے۔ قائداعظمؒ کی سیاست میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ سیاست میں اُن کا سب سے مؤثر ہتھیار اُن کی راست گفتاری تھی اور وہ

بڑے فخر سے خود کو خادمِ اسلام کہتے تھے۔

پرویز برکی نے کہا کہ قائداعظمؒ میں کردار کی پختگی اُس رسولِ عربیؐ کی تعلیمات کے باعث تھی جنھوں نے اپنی نبوت کی گواہی میں اپنی عملی سیرت کو پیش کیا۔ قائداعظمؒ اُس پیغمبر اعظم و آخرؐ کے پیروکار تھے جن کے صادق و امین ہونے کی شہادت اُن کے دشمنوں نے بھی دی۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

''سچ بولو چاہے یہ سچ خود تمھاری ذات کے بھی خلاف ہو۔''

قائداعظمؒ نے اس سنہرے اصول کو اپنایا تو پھر اُن کے احترام کا یہ عالم تھا کہ تحریک قیامِ پاکستان کے بدترین مخالف ماؤنٹ بیٹن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ:

''قائداعظمؒ کی ذات منافقت سے مبرا تھی۔ وہ سیدھا چلنے والے، سچی بات منہ پر کہہ دینے والے، راست بازی میں منفرد اور اندر اور باہر سے یکساں تھے۔''

قائداعظمؒ کے مخالفین جب کوئی بات کہتے تھے تو پھر اُس سے مکر بھی جاتے، لیکن قائداعظمؒ کو کبھی اپنی بات کی تردید کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی وہ سچ بولتے اور اس پر ڈٹ جاتے۔ ایوانِ سیرت رسول ﷺ کے سیکرٹری نے کہا کہ ہمیں اپنے نوجوانوں کی کردار سازی بھی اُنہی خطوط پر کرنا ہوگی جیسی عظمت کردار کا مظاہرہ قائد اعظمؒ نے اپنی پوری سیاسی زندگی میں اور بالخصوص قیام پاکستان کی بے مثال جدوجہد کے دوران کیا تھا۔

قائداعظمؒ کے گرد مذہبی تقدس کا ہالہ بنا ہوا دکھائی نہیں دیتا تھا، لیکن اسلام اور بانیٔ اسلام حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت قائداعظمؒ کے کردار کے امتیازی پہلو تھے۔ قائداعظمؒ زمانۂ طالب علمی سے لے کر زندگی کے آخری سانسوں تک اسلامی تعلیمات

کے شیدائی تھے۔ قائد اعظمؒ کا اس حقیقت پر پختہ ایمان تھا کہ اسلام محض چند عقائد، روایات اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں بلکہ اسلام ہر مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ سیاست، معاشرت اور معیشت تمام شعبوں میں اسلام ہمیں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام کے لیے قائد اعظمؒ کے والہانہ جذبات کا اندازہ آپ اُن کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی کر سکتے ہیں، قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ:

''اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے کیوں کہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔''

قائد اعظمؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں کوئی مولوی یا مُلا نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، لیکن میں نے قرآنِ مجید اور قوانین اسلام کا اپنے طور پر مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کتاب میں انسانی زندگی کے ہر باب سے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ قائد اعظمؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہے کہ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ اور نہ کسی پارلیمان کی حکمرانی تسلیم کی جاتی ہے بلکہ ایک اسلامی حکومت میں قرآنِ مجید کی تعلیمات ہی ہمارے لیے آزادی اور پابندی کی حدود مقرر کر سکتی ہے۔ اسلامی حکومت قرآن کے احکام اور اصولوں کی حکمرانی کا نام ہے۔ قائد اعظمؒ کو سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے پیغام دینے کے لیے کہا تھا تو انھوں نے یہ تاریخی الفاظ ادا کیے کہ:

''آپ نے مجھے پیغام دینے کے لیے کہا ہے۔ میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ ہمارے پاس راہنمائی اور روشنی حاصل کرنے کے لیے قرآنِ حکیم کی صورت میں عظیم پیغام موجود ہے۔''

ایوانِ سیرت رسولؐ بھی اس پیغام کی دعوت دے رہا ہے کہ نوجوان دین اسلام سیکھنے کے لیے کسی خاص مکتبۂ فکر کے مولوی یا مُلا کا انتظار نہ کریں بلکہ قرآنِ مجید اور سیرتِ سرورِ عالمؐ کا براہِ راست مطالعہ کریں جس طرح قائداعظمؒ نے اسلام کا روحانی پیغام سمجھنے کے لیے خود کوشش کی اور اپنی سیاسی زندگی میں بھی قرآن اور سیرت پر عمل کرتے ہوئے سیاست میں کبھی جھوٹ، فریب اور بے اصولیوں کا سہارا نہ لیا۔ ہمیں قائداعظمؒ کا یہ ارشاد کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

"اگر ہم قرآنِ مجید کو اپنا آخری اور قطعی راہبر بنا کر ثابت قدمی اور استقامت سے اس کی تعلیمات پر کاربند رہیں اور اس ارشادِ خداوندی کو کبھی نہ بھولیں کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔"

............*

حقیقی نظریۂ پاکستان

جن لوگوں کو اپنی حقیقت اور اصلیت کا علم نہیں وہ ''حقیقی نظریۂ پاکستان'' کے تعارف کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ لاہور میں نواز شریف کی ایک تقریر پر ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا ہے جیسے انھوں نے کوئی گناہ کر دیا ہو۔ نواز شریف کی 13 اگست کی تقریر کے ایک ایک لفظ میں وہ حقیقی نظریۂ پاکستان نظر آتا ہے جو قائد اعظمؒ اور اُن کے ساتھی رکھتے تھے۔ نواز شریف کی تقریر میں حقیقی نظریۂ پاکستان دریافت کرنے والے صاحب نواز شریف کے وہی سابق تقریر نویس ہیں جو 12 اکتوبر 1999ء کے فوجی مارشل لاء کے بعد وزیر اعظم نواز شریف کی وہ تقریر لکھنے سے مکر گئے تھے جو نواز شریف اپنی حکومت کا تختہ الٹ جانے سے پہلے کرنے والے تھے۔ نواز شریف سے بے پناہ مفادات حاصل کرنے والے تقریر نویس نے فوجی حکومت کے عتاب سے بچنے کے لیے اپنی صفائی میں یہ بیان دیا تھا کہ نواز شریف کی مذکورہ بالا تقریر اُس نے نہیں بلکہ نواز شریف کے بیٹے حسین نواز نے تحریر کی تھی۔

نواز شریف فیملی کو آج تک اپنے سابق تقریر نویس کی یہ بے وفائی نہیں بھولی کہ اُس نے ایک مشکل دور میں اپنی جان چھڑانے کے لیے نواز شریف کے بیٹے کو پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے بعد نواز شریف کا یہ تقریر نویس جنرل پرویز مشرف کے حکم سے قائم ہونے والی جماعت مسلم لیگ (ق) کے لیے اُنہی شرائط پر خدمات سر

انجام دینے کے لیے مصروفِ کار نظر آیا۔جن شرائط پر وہ مسلم لیگ (ن) کے حق میں کالم نویسی اور نواز شریف کے لیے تقریر نویسی کے فرائض ادا کرتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ نظریۂ ضرورت کی پیداوار یہ کالم نویس نظریۂ پاکستان کے خلاف متعدد بار لکھنے کے بعد اب نواز شریف کو حقیقی نظریۂ پاکستان کا موجد ثابت کرنے کی مہم پر نکل کھڑا ہوا ہے۔ نواز شریف کی 13 اگست کی تقریر کا مکمل متن نوائے وقت میں شائع ہو چکا ہے۔ اب اُس تقریر کو بار بار دہرانا مناسب نہیں، لیکن یہ بات بلا خوفِ تردید لکھی جا سکتی ہے کہ نواز شریف نے اپنی 13 اگست کی تقریر میں اُن کے سابق تقریر نویس کے بقول جو ''حقیقی نظریۂ پاکستان'' پیش کیا ہے ہمارے نزدیک اُس کا قائد اعظمؒ کے نظریۂ پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ عجیب بات ہے کہ جس شخص کو نظریۂ پاکستان کی اصطلاح سے ہی اتفاق نہیں وہ حقیقی نظریۂ پاکستان کی بات کر رہا ہے۔ ممکن ہے نواز شریف نے غیر شعوری طور پر وہ تقریر کی ہو جس کی اب انھوں نے وضاحت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ہو سکتا ہے نواز شریف کو اپنے دل میں غلطی کا احساس بھی ہو چکا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی موقع پر وہ برملا اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیں، لیکن نواز شریف کے سابق تقریر نویس نے اپنے کالم میں یہ لکھ کر:

''حقیقی نظریۂ پاکستان وہی ہے جو نواز شریف نے اپنی 13 اگست کی تقریر میں پیش کیا ہے۔''

نواز شریف کی پوزیشن کو مزید مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ نواز شریف کی صفائی اگر مشکوک نظریات رکھنے والے افراد کی طرف سے پیش کی جائے گی تو یہ نواز شریف کو قوم کی نظروں میں مزید نامعتبر بنانے کی کوشش سمجھی جائے گی۔

نواز شریف اپنی تقریر کی وجہ سے پہلے ہی اپنے حلقۂ انتخاب کی طرف سے تنقید کی

زد میں ہیں اور اگر قائداعظمؒ کے نظریۂ پاکستان کے دشمن حضرات نواز شریف کی 13 اگست کی تقریر کو ''حقیقی نظریۂ پاکستان'' قرار دیں گے تو پھر اسے نواز شریف کو سیاسی اعتبار سے مزید مشکلات میں پھنسانے کی سازش کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔

نواز شریف کو ایک بار پہلے بھی اپنے سابقہ تقریر نویس کے وفاداریاں تبدیل کرنے اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ اس لیے نواز شریف کو ایسے دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو نواز شریف کو ایک سنگین سیاسی غلطی پر جمے رہنے کی ترغیب دینے کے لیے اُن کو 13 اگست کی تقریر پر تھپکیاں دے رہے ہیں۔ نواز شریف نے 13 اگست کی تقریر جس پلیٹ فارم سے کی تھی یہ راندۂ درگاہ لوگوں کا چھوٹا سا ٹولہ ہے جو سیاست کو مذہب سے الگ کر دینے کے علمبردار ہیں جو قرآن کے بجائے گرونانک کے گرنتھ صاحب سے متاثر ہیں۔ جو کشمیر کی آزادی کے لیے جہاد کا تصور رکھنے والوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ سیفما کی پاکستان دشمن اور کشمیر دشمن سوچ کا اندازہ آپ اس بات سے لگا لیں کہ سیفما کے ایک مسخرے نے اپنے انٹرویو میں مجید نظامی صاحب پر یہ ''الزام'' عائد کیا ہے کہ ہم نے مجید نظامی کو اپنی کانفرنسوں میں شرکت کی دعوت دی ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ پہلے کشمیر لا دو پھر میں آپ کی کانفرنسوں میں شامل ہوں گا۔ اب اُنھیں کشمیر کہاں سے لا کے دیا جائے۔ دوسرا ''الزام'' جناب مجید نظامی صاحب پر یہ عائد کیا گیا ہے کہ انھوں نے صحافت میں آئیڈیالوجی کو زیادہ ہی داخل کر دیا ہے۔ مجید نظامی کے ایک اور جرم کی نشان دہی یوں کی گئی ہے کہ وہ دہلی کے لال قلعہ پر پاکستان کا پرچم لہراتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ سیفما نام کی کاغذی تنظیم سیاست کو مذہب سے الگ کرنے کی داعی ہے اور قائداعظمؒ پر بھی یہ جھوٹا الزام عائد کرنے سے گریز نہیں کرتی کہ قائداعظمؒ ایک

سیکولر ریاست کے علمبردار تھے، حالانکہ قائداعظمؒ نے بار بار اپنی تقاریر میں اسلام کے سماجی انصاف پر مبنی نظام تشکیل دینے کی بات کی تھی اور پاکستان کے موجودہ آئین میں بھی یہ تحریری یقین دہانی موجود ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں پر مبنی سوشل جسٹس کا نظام نافذ کیا جائے گا۔ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 2 میں بھی واضح طور پر تحریر ہے کہ پاکستان کا ریاستی دین اسلام ہے۔

پاکستان میں کوئی صدر، وزیراعظم، اسپیکر قومی اسمبلی، چیئرمین سینٹ، گورنر، وزیر اعلیٰ، وفاقی وزیر اور صوبائی اسمبلیوں کے اسپیکر اُس وقت تک باضابطہ طور پر اپنے عہدے سنبھال نہیں سکتے جب تک اپنے حلف میں یہ اقرار نہ کرلیں کہ:

"میں اسلامی نظریے کے تحفظ کے لیے اپنی انتہائی کوشش کروں گا جو پاکستان کی بنیاد ہے۔"

یہی حلف دو مرتبہ نواز شریف نے وزیراعظم کی ذمہ داریاں سنبھالتے وقت اٹھایا تھا۔ وزیراعظم اور صدر کا آئین میں موجود یہ حلف سیفما کے اس باطل نظریہ کی نفی کرتا ہے کہ پاکستان میں سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ پھر مقبوضہ کشمیر جو قائداعظمؒ کے بقول پاکستان کی شہ رگ ہے کی آزادی کا مسئلہ حل کیے بغیر بھارت سے دوستی کیسے کی جاسکتی ہے۔ کشمیر پر پوری پاکستان قوم کا جو مؤقف ہے اُس سے انحراف کرتے ہوئے انڈیا سے دوستی کی علمبردار تنظیم کے پلیٹ فارم پر جا کر اگر نواز شریف نے تقریر کرنا ہی تھی تو انھیں کشمیر پر پاکستان کا وہ مؤقف پیش کرنا چاہیے تھا جس مؤقف کی حمایت میں مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تحریک کی خاطر لاکھوں مجاہدین اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ پھر جو تنظیم ایسے دین بیزار لوگوں پر مشتمل ہو جو ہر موقع پر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست کے بجائے سیکولر جمہوریہ ثابت کرنے

کے لیے کوشاں ہو۔ وہاں نواز شریف کو ایسی تقریر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ جسے سن کر صرف وہی طبقہ خوش ہو سکتا تھا جو پاکستان کو خواہ مخواہ اور زبردستی ایک سیکولر ریاست بنانے کی بات کرتا ہے۔ نواز شریف نے تو 1990ء میں قومی اسمبلی میں نفاذِ شریعت کا بل پیش کیا تھا۔ پھر اس کا تعلق سیکولر طبقے سے کیا ہے؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست دیکھنے کے متمنی ہی نواز شریف کی 13 اگست کی تقریر کو حقیقی نظریۂ پاکستان کا نام دے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نواز شریف کی اس تقریر سے سیکولر سیاست کے علمبرداروں کے دلوں کی کسی حد تک یا مکمل طور پر ترجمانی ہوئی ہے تو ہی یہ گروہ نواز شریف کی تقریر کی کافی بڑھ چڑھ کر داد دے رہا ہے۔

نواز شریف کے سابق تقریر نویس نے اپنی بدفطرتی سے مجبور ہو کر ایک بار پھر یہ تحریر کیا ہے کہ:

"ایک چھوٹے سے گروہ نے جو مخصوص نظریۂ پاکستان گھڑ رکھا ہے اُس کا حقیقی نظریۂ پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقی نظریۂ پاکستان وہی ہے جو نواز شریف نے اپنی 13 اگست کی تقریر میں پیش کیا ہے۔"

اگر حقیقی، اصلی یا خالص نظریۂ پاکستان کی ہی بات کرنی ہے تو وہ صرف قائداعظمؒ کا نظریۂ پاکستان ہے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ نے اپنی متعدد تقاریر کے ذریعے اس امر میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہنے دیا کہ پاکستان کے حصول کا مقصد ایک خالص اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران اور قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظمؒ نے بار بار یہ اعلان کیا کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت کے مطابق ہو گا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں بھی پاکستان کے پہلے وزیراعظمؒ اور قائداعظمؒ کے دست راست لیاقت علی خاں کی قیادت میں جو قراردادِ مقاصد منظور کی گئی اُس میں

یہ عہد کیا گیا تھا کہ پاکستان میں قرآن وسنت پر مبنی ایسا نظام نافذ کیا جائے گا جو کہ مسلمانوں کو اُن کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے قابل بنا سکتا ہو۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے جو قرار دادِ مقاصد منظور کی تھی اُس کی بنیاد قائد اعظمؒ کی یہ مشہور تقریر تھی کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا ہے، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلامی اصولوں پر عمل کر سکیں۔''

قائد اعظمؒ نے یہ تقریر قیام پاکستان سے تین سال پہلے کی تھی۔ پھر قائد اعظمؒ نے 18 اگست 1947ء کو اپنے پیغام عید میں، میں فرمایا تھا کہ پاکستان سے مراد یہ نہیں کہ ہم صرف غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے تھے۔ اس سے حقیقی مراد اسلامی نظریۂ حیات ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ پھر قائد اعظمؒ نے پاکستان کو اسلام کا بنیادی مطالبہ بھی قرار دیا تھا۔ قائد اعظمؒ کے اسی نظریۂ پاکستان کا اگر نظریۂ پاکستان ٹرسٹ، نوائے وقت اور جناب مجید نظامی محافظ ہیں تو اس سے کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ہم صرف قائد اعظمؒ کے ارشادات کو حقیقی نظریۂ پاکستان تسلیم کرتے ہیں۔

قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ یہ ملک اللہ کے نام پر اور اسوۂ رسولؐ پر عمل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پاکستان میں جمہوری نظام ہو گا جو اسلامی اصولوں پر مشتمل ہو گا۔ قائد اعظمؒ کے ان ارشادات سے متصادم اگر کوئی نیا نظریۂ پاکستان سیکولر دانشوروں نے ایجاد کر لیا ہے تو اسے ہم ''بھارتی نظریۂ پاکستان'' تو کہہ سکتے ہیں قائد اعظمؒ کا اصلی نظریۂ پاکستان نہیں مان سکتے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نواز شریف کو اُن کے نئے دوستوں کے شر سے محفوظ

رکھے۔نواز شریف کے یہ نادان دوست نہ تو پاکستان کے خیر خواہ ہیں۔ نہ ہی یہ نواز شریف سے مخلص ہیں۔ پاکستان کی شہ رگ کشمیر انڈیا کے قبضہ میں ہے اور انڈیا پاکستان کا پانی روک کر ہمارے ملک کو ریگستان میں تبدیل کرنے کے اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ اسی لیے 20 اگست کو جناب مجید نظامی نے لاہور میں اپنی تقریر کے دوران انڈیا کو دنیا کا سب سے بڑا شیطان قرار دیا ہے۔ اس شیطان مردود سے دوستی کی بات کرنے والوں کو پاکستان سے مخلص کیسے مانا جا سکتا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ نواز شریف کو ایسے لوگوں کے سائے سے بھی بچنا چاہیے۔ شیطان مردود سے بھی اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور شیطان کے چیلوں سے بھی۔

............*

قائداعظمؒ کی واحد تمنا اور سیکولر ''دانشور''

میں حیران ہوں کہ سب سے زیادہ اشاعت کا دعویٰ کرنے والے اخبار نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلانا اپنا فرضِ اوّلین کیوں سمجھ لیا ہے۔ پاکستان کے قیام کے 63 سال بعد بھی ایک کالم نگار تسلسل سے نئی نسل کو بہکانے اور بھٹکانے کے لیے یہ لکھ رہا ہے کہ قائداعظمؒ ہرگز پاکستان کو ایک اسلامی ریاست نہیں بنانا چاہتے تھے اور یہ کہ قرار دادِ مقاصد پاکستان کے دستور میں داخل کر کے ریاستی امور چلانے والوں کو ہمیشہ کے لیے مولویوں کے تابع کر دیا ہے۔ کالم نگار کی رائے یہ ہے کہ سیاسی اور معاشی حقوق کے حصول اور ہندوؤں کی اکثریت کی طرف سے ناانصافیوں کے خطرے سے بچنے کے لیے ہمیں پاکستان کی ضرورت پیش آئی تھی۔ کالم نگار کا سارا زورِ قلم اس بات پر استعمال ہوا ہے کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن حاصل کرتے ہوئے قائداعظمؒ کے پیش نظر اسلامی نظام کا نفاذ نہیں تھا۔ کالم نگار نے اس بات پر بھی خوشی کا اظہار کیا ہے کہ مشرقی پاکستان والوں نے پاکستان سے الگ ہو کر ایک سیکولر مسلمان ریاست قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور اب مسلمانوں کے اس وطن میں مذہب کے نام پر سیاست کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

کالم نگار کا ''ادھورا خواب'' اس وقت مکمل ہو گا جب پاکستان کو بھی ایک سیکولر ریاست میں بدل دیا جائے گا اور مسلمانوں کے اس ملک میں بھی اسلام کے نام پر

سیاست کرنے پر پابندی لگا دی جائے گی۔ کالم نگار کے درج بالا خیالات پڑھ کر اُن کے گمراہ ہونے پر تو کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اگر وہ اپنی اس گمراہی کو اپنے تک محدود رکھیں تو اس پر کسی تبصرے کا بھی کوئی جواز نہیں، لیکن افسوس ناک اور قابل تشویش بات یہ ہے کہ کالم نگار اپنے ان پراگندہ خیالات کو قائد اعظمؒ کے تصور پاکستان سے عین مطابق قرار دیتے ہیں یعنی اپنی گمراہی کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے یہ الزام قائد اعظمؒ کی طرف منتقل کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔

پاکستان میں لا دینیت کے علمبردار دیگر سیکولر ''دانشوروں'' کی طرح مذکورہ کالم نگار نے بھی 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں کی گئی قائد اعظمؒ کی تقریر کا حوالہ دیا ہے۔ قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر سے سیکولر ازم تلاش کرنے والوں کے لیے خود قائد اعظمؒ ہی کا یہ جواب کافی ہے۔ اگر قائد اعظمؒ کے درج ذیل خیالات پڑھ کر بھی سیکولر ذہن رکھنے والے حضرات اپنی زبانیں بند نہیں کرتے تو پھر یہ اُن کی اپنی عقل کا فتور ہے۔

قائد اعظمؒ نے 25 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبیؐ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن میں وکلا کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''میں ان لوگوں کو نہیں سمجھ پایا جو جان بوجھ کر یہ پروپیگنڈا کر کے ایک نیا جھگڑا کھڑا کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلامی اصول آج بھی زندگی کے لیے موزوں اور قابل عمل ہیں۔ جیسے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے نافذ تھے۔ ان گم کردہ راہ لوگوں کے پروپیگنڈا سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام نے دنیا کو جمہوریت کا سبق دیا ہے۔ نوعِ انسانی کو

مساوات، عدل اور تہذیب وشائستگی سکھائی ہے۔''

قائد اعظمؒ نے اپنی اسی تقریر میں اسلام کے نام سے الرجک حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''یہاں کئی لوگ ایسے ہیں کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ اسلام محض عبادات، روایات اور روحانی اعتقادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جس سے ہر مسلمان کی دنیوی زندگی میں نظم وضبط اور طرزِ عمل میں اعتدال وتوازن آتا ہے، حتیٰ کہ سیاست واقتصادیات میں بھی۔ اسلام کی اساس بلند ترین اصولوں یعنی عزت ووقار، اجتماعیت، مساوات اور سب کے لیے عدل ومساوات پر استوار ہے۔ اسلام میں کسی بھی انسان کا کسی بھی دوسرے انسان سے کوئی فرق نہیں ہے۔''

اپنے کالموں میں بار بار قائد اعظمؒ کو ایک سیکولر مسلمان ریاست کا علمبردار ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنے والے صحافی حضرات قائد اعظمؒ کی کس کس تقریر کو نئی نسل سے چھپا سکتے ہیں۔

بنگلہ دیش میں مذہب کے نام پر سیاست کرنے کو ممنوع قرار دیئے جانے پر خوشی کا اظہار کرنے اور پاکستان کی سیاست میں اسلام کا نام لینے والوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے والوں کو شاید قائد اعظمؒ کی یہ تقریر یاد نہیں، 21 اکتوبر 1939ء کو قائد اعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سر بلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا

ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور گواہی کا طالب نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا اپنا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی اسلام کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ تم مسلمانوں کی تنظیم اور اتحاد کا فرض بجا لائے۔ میرا خدا کہے بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں اسلام کا علم بلند رکھتے ہوئے مرے۔"

یہ کس قدر ظلم اور نا انصافی کی بات ہے کہ قائد اعظمؒ تو اپنے لیے سب سے زیادہ قابل فخر بات یہ سمجھتے تھے کہ وہ کفر کی طاقتوں کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا سر بلند رکھتے ہوئے اپنی جان قربان کر دیں، لیکن قائد اعظمؒ کے پاکستان میں ایسے بدباطن اور سیاہ ضمیر لوگ بھی موجود ہیں جو قائد اعظمؒ کو سیکولر ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے میں ذرا سی بھی شرم محسوس نہیں کرتے اور اپنے بے ہودہ خیالات کو قائد اعظمؒ کا تصورِ پاکستان ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں، جب کہ قائد اعظمؒ نے تو قاہرہ ریڈیو سے 19 دسمبر 1946ء کو غیر مبہم الفاظ میں اپنی تقریر میں قیام پاکستان کے مقاصد بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا:

"پاکستان سے ہمارا مطلب ہے ہند کے شمال مغربی اور مشرقی علاقے، ہمارے اوطان جہاں ہم صدیوں سے آباد ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان دو علاقوں کو علیحدہ کر لیا جائے۔ جہاں مسلم حکومت کی اپنے علاقوں میں فرماں روائی ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور اُن تمام اقدار کا تحفظ کریں جن کا اسلام علمبردار ہے۔"

پاکستان نظریاتی ریاست نہیں قومی ریاست ہے؟

ایک نجی ٹی وی چینل نے درج بالا موضوع کو عوام کی عدالت میں پیش کیا اور باقاعدہ اس موضوع پر بحث کروائی گئی۔ موضوع کے حق اور مخالفت میں دلائل دیئے گئے اور آخر میں حاضرین سے رائے لی گئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ نجی ٹی وی چینل کے مالکان اور پروگرام کے میزبان دونوں کی بدنیتی پر مبنی پیش کی گئی قرارداد مسترد ہو گئی اور فیصلہ ''پاکستان نظریاتی ریاست ہے'' کے حق میں آیا۔

جہاں تک پاکستان کے نظریاتی ریاست ہونے کا تعلق ہے۔ یہ فیصلہ تو تحریک پاکستان میں ہی عوام نے کر دیا تھا۔ اگر پاکستان نے انڈیا سے الگ ہو کر ویسے ہی ایک قومی ریاست بننا تھا جیسے اُس وقت متحدہ انڈیا موجود تھا تو انڈیا کی تقسیم کا کیا جواز تھا؟ جو ادارے یا افراد اس وقت پاکستان کی نظریاتی حیثیت کو موضوع بحث بنا رہے ہیں وہ بدنیتی سے اور انڈیا کی مالی سپورٹ سے دانستہ طور پر نئی نسل کو پاکستان کی نظریاتی اساس سے برگشتہ کرنے کے لیے ایسے پروگرام ترتیب دے رہے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دور میں جنگ ہی دو سیاسی قوتوں کے درمیان تھی ایک کانگرس جو متحدہ ہندوستان کی علمبردار تھی اور اُس کا مؤقف یہ تھا کہ ہم سب ایک ہندوستانی قوم ہیں، کانگرس کے حامی مسلمان بھی نیشنلسٹ مسلمان کہلواتے تھے۔

ان کے مقابلے میں مسلم لیگ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمان اپنے الگ دین، الگ

تہذیب اور الگ نظام حیات رکھنے کے باعث ایک الگ قوم ہیں، لہٰذا یہ بات محض خواب وخیال ہے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تشکیل دے سکتے ہیں۔

قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تہذیب وتمدن، زبان وادب، فنونِ لطیفہ، فنِ تعمیر، نام ونسب، قانون واخلاق، رسم ورواج، تاریخ وروایات ہر ایک اعتبار سے مسلمانوں کا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے اور پھر قائد اعظمؒ کے اس تاریخی فرمان کو دیکھئے کہ:

''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ اور جواز کیا تھا؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔''

قائداعظمؒ جو بانیٔ پاکستان ہیں وہ پاکستان کو اسلام کا بنیادی مطالبہ قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑی شہادت پاکستان کے نظریاتی ریاست ہونے کی اور کیا ہوسکتی ہے۔ 1946ء کے انتخابات میں جس پاکستان کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے ووٹ دیئے اور مسلم لیگ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی وہ پاکستان قائداعظمؒ کے بقول اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔ قائداعظمؒ کے نزدیک اسلام ہی پاکستان کا جذبۂ محرکہ، اسلام ہی پاکستان کی وجہ اور اسلام ہی پاکستان کا جواز تھا۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ:

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہوگیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔''

غور فرمایئے! قائد اعظمؒ نے کہا کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے اور ایک ہندو کے مسلمان ہونے سے ہی ایک جداگانہ قوم وجود میں آگئی اور پاکستان اُسی دن قائم ہوگیا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوگیا۔ قائد اعظمؒ کے اس ایمان افروز فرمان کو پڑھ لینے کے بعد بھی اگر کسی شخص یا کسی پرائیوٹ ٹی وی چینل کو پاکستان کے نظریاتی ریاست ہونے میں شبہ ہے تو پھر یقیناً وہ شخص عقل وشعور سے عاری ہے یا بددیانتی اور بدنیتی سے اُن طاقتوں کا آلۂ کار ہے جو آج بھی اکھنڈ بھارت کی علمبردار ہیں اور پاکستان کے قیام کے خلاف تھیں اور ہیں۔

انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ یہ لوگ پاکستان کا کھاتے اور پیتے ہیں اور یہ پاکستان کا احسان نہیں اتار سکتے کہ اس ملک کی بدولت یہ اربوں روپے کے اثاثوں کے مالک ہیں، لیکن پھر بھی پاکستان دشمن قوتوں کے ایجنڈے کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور پاکستان کے ایک نظریے یعنی مسلم قومیت کی بنیاد پر قائم ہونے کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

''پاکستان ایک نظریاتی ریاست نہیں'' کے موضوع پر بحث ومباحثہ کروانے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آج پاکستانی قوم سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا ہندوستان کی تقسیم اور اس کے نتیجہ میں پاکستان کا قیام درست تھا یا اکھنڈ بھارت ہی رہنا چاہیے تھا؟ کیا کوئی محبِّ وطن شخص، اخبار یا ٹی وی چینل اپنے ملک کے وجود کے بارے میں بھی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ پاکستان باقی رہنا چاہیے یا نہیں؟ ایسے بدفطرت اور بدباطن افراد کی خدمت میں مَیں پروین شاکر کا یہ زندہ جاوید شعر ہی پیش کر سکتا ہوں۔

تہمت لگا کے ماں پہ جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

ان سیاہ ضمیر لوگوں کو کون سمجھائے کہ طے شدہ بلکہ ثابت شدہ حقیقتوں پر بحث مباحثہ نہیں کروایا جاتا۔ یوں تو قیام پاکستان میں برصغیر کے تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے انداز میں اور اپنی توفیق کے مطابق کردار ادا کیا، لیکن قیام پاکستان کا اعزاز اگر کسی فرد واحد کو دیا جا سکتا ہے تو وہ صرف قائد اعظمؒ ہیں۔

جب قائد اعظمؒ یہ فرماتے ہیں کہ پاکستان اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا، پاکستان کا جذبۂ محرکہ اسلام ہے اور پاکستان کی بنیاد کلمۂ طیبہ ہے تو پھر پاکستان کے نظریاتی ریاست ہونے پر شک کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو اپنی ماں یا باپ کے حقیقی ہونے پر خدانخواستہ شک گزرے تو وہ اس پر مباحثہ منعقد کروا دے اور لوگوں سے رائے لینا شروع کر دے کہ یہ میرے ماں باپ ہیں یا نہیں۔ مقدس رشتوں کے فیصلے لوگوں کی رائے لے کر نہیں کیے جاتے۔ مقدس رشتے محسوس کرنے اور اُن کا احترام کرنے کا نام ہے۔

پاکستان کا نظریاتی ریاست ہونا ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور ایمان کے معاملات میں بحث و مباحثہ نہیں کروایا جاتا۔ کیا ''جیو اور بے شرمی سے جیو'' والے اب آئندہ مباحثہ اس موضوع پر بھی کروانا چاہتے ہیں کہ ''ہمیں مسلمان نہیں دوبارہ ہندو ہو جانا چاہیے'' اور کیا یہ فیصلہ بھی ووٹنگ کے ذریعے کیا جائے گا کہ ہم مسلمان رہیں یا ہندو ہو جائیں۔ تُف ہے سوچ کے ایسے انداز پر۔ فکر کی ایسی پستی پر۔

............*

بانئ پاکستان کا تصورِ پاکستان

یومِ قائداعظمؒ کے موقع پر سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بانئ پاکستان کے اُن تصورات کو یاد کریں اور پاکستان کو قائداعظمؒ کے ان افکار کا آئینہ دار بنانے کا عہد کریں جو تصورات اور افکار پاکستان بنانے کے وقت قائداعظمؒ کے پیش نظر تھے۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کچھ بدنیت لوگ اب بھی اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر قائداعظمؒ کے صاف ستھرے نظریۂ پاکستان کو سیکولر ازم کا رنگ چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قائداعظمؒ کے بارے میں اُن کا کوئی بدترین سیاسی مخالف بھی یہ الزام عائد نہیں کرسکتا کہ اُن کی سیاست کسی بھی حوالے سے کبھی منافقت کا شکار رہی ہو۔ قائداعظمؒ خدانخواستہ اگر پاکستان کو ایک لادین ریاست بنانے کے علمبردار ہوتے تو وہ تحریک پاکستان کے دوران ضرور اپنے اس مؤقف کو اپنی قوم کے سامنے کھل کر بیان کرتے۔

قائداعظمؒ سیاست میں جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ قائداعظمؒ نے اگر اپنی متعدد تقاریر اور بیانات میں پاکستان کو اسلامی تصورات کے مطابق ایک جمہوری اور فلاحی مملکت بنانے کا اعلان فرمایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی یہی آرزو اور تمنا تھی کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہوگا جہاں اسلامی نظریات کے مطابق

ایک ایسا نظامِ حکومت تشکیل دیا جائے گا جس کے فوائد صرف مسلمانوں تک ہی نہیں پہنچیں گے بلکہ پاکستان کے غیر مسلم شہری بھی ان ثمرات کے حصول میں برابر کے شریک ہوں گے۔

جب قائد اعظمؒ پاکستان کے مسلم اور غیر مسلم تمام شہریوں کے لیے برابر کے حقوق پر زور دیتے تھے تو اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ وہ سیکولرازم کے حامی تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قائد اعظمؒ نے 14 اگست 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''شہنشاہ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ خیر سگالی اور رواداری کا جو برتاؤ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کی ابتدا تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسولؐ نے کر دی تھی۔ انھوں نے زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے یہود ونصاریٰ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ مسلمان حکمرانوں کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔''

قائد اعظمؒ کو اسلامی روایات اور اسلامی عدل وانصاف پر مبنی نظام حکومت پر کتنا زیادہ یقین تھا۔ اس کا اندازہ آپ قائد اعظمؒ کی 11 اکتوبر 1947ء کی اُس تقریر سے بھی کر سکتے ہیں جس میں انھوں نے بڑے واضح انداز میں کہا تھا کہ ہمارا مقصد محض ایک آزاد مملکت کا حصول نہیں تھا بلکہ پاکستان ایک نصب العین کے حصول کا ذریعہ اور وہ نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک آزاد ملک میں اپنی تہذیب وتمدن کے مطابق ترقی کر سکیں اور اسلام کے معاشرتی اصولوں کو پوری طرح بروئے کار لا سکیں۔ اگر قائد اعظمؒ بھی انڈیا کی طرح ایک سیکولر مملکت کے تصور کے حامی تھے تو انھیں بار بار اپنی تقاریر میں

اسلامی روایات اور اصولوں یا اسلام کے معاشرتی انصاف پر مبنی نظام کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟!

قائداعظمؒ نے ''رحمۃ اللعالمینؐ'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا تھا۔ لاہور کے ایک وکیل سید سرور شاہ گیلانی نے قائداعظمؒ کی یہ تحریر ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کی تھی۔ یہ پمفلٹ سنٹرل لائبریری بہاولپور میں آج بھی محفوظ ہے۔ قائداعظمؒ لکھتے ہیں:

> ''جس طرح آج سے تیرہ سو سال پہلے چند قوانینِ الٰہی کی تاثیر نے عربوں کی مردہ قوم کو زندگی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا اسی طرح آج ان قوانین کی برکت سے غلام ہندوستان کی قسمت بدلی جا سکتی ہے۔ اسلامی قوانین سے آج بھی نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ کی تعلیمات نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور روحانی، سوشل، سیاسی اور اقتصادی پستیوں کو چشم زدن میں بلندیوں سے آشنا کر دیا۔ آج بھی ہمیں حضورؐ کی تعلیم پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہی ہے۔ کاش کہ ہم اس آواز کو سن سکیں۔''

مَیں یہ گزارش کروں گا کہ کاش قائداعظمؒ کی یہ تحریر پڑھ کر سیکولر ذہن رکھنے والے سیاسی اور صحافتی حلقے دیانت داری سے یہ فیصلہ کریں کہ جس قائداعظمؒ کے خیالات یہ ہوں کہ وہ پوری دنیا کو حضور نبی کریمؐ کی تعلیمات کی طرف بلا رہے ہوں اور جس قائداعظمؒ کا یہ ایمان ہو کہ اسلامی قوانین کے ذریعے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں ایک سوشل، سیاسی اور اقتصادی انقلاب لایا جا سکتا ہے کیا وہ قائداعظمؒ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست دیکھنا چاہتے تھے؟ یا وہ پاکستان کو ایک اسلامی، نظریاتی اور فلاحی

ریاست بنانا چاہتے تھے؟!

سیکولر طبقے کی پاکستان میں سیاسی نظام کے حوالے سے اپنی جو بھی سوچ ہے وہ انھیں مبارک ہو، لیکن کسی کو بھی اس ''دانشوارانہ بد دیانتی'' کا حق حاصل نہیں کہ وہ قائد اعظمؒ کو بھی سیکولر سوچ کا علمبردار قرار دے۔ یہ درست ہے کہ قائد اعظمؒ تھیوکریسی کے بھی حامی نہیں تھے، لیکن قائد اعظمؒ کی 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں کی گئی وہ تقریر کس کو یاد نہیں ہو گی جس تقریر میں انھوں نے زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

''میرا یہ پیغام جس شخص کے پاس پہنچے وہ اپنے دل میں اس بات کا عہد کر لے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور دنیا کی عظیم ترین قوم بنانے کے لیے جس کا نصب العین امن و آشتی ہو اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔''

قائد اعظمؒ فرما رہے ہیں کہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور اسلام کا معاون و مددگار بنانے کے لیے وقت آنے پر اپنی جانیں بھی قربان کر دیں اور سبّی بلوچستان میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے کہا تھا کہ:

''ہماری نجات اُس اُسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔''

پھر بھی اگر کوئی شخص یا گروہ قائد اعظمؒ کو سیکولر ذہن کا سیاست دان سمجھتا ہے تو ہمارے خیال میں وہ ایسا اپنی نادانی کے باعث کرتا ہے یا بدنیتی کی وجہ سے۔

میں اپنے اس کالم کو بلوچستان سے تعلق رکھنے والے تحریک پاکستان کے ایک ممتاز لیڈر اور قائد اعظمؒ کے معتمد ساتھی قاضی محمد عیسیٰؒ کی ایک تقریر کے اس اقتباس پر

ختم کرنا چاہتا ہوں:

''قائد اعظمؒ نے دوقومی نظریہ عین قرآنی تعلیمات کے مطابق پیش کیا تھا۔ قائد اعظمؒ نے اسلام کی اساس پر ملک حاصل کیا اور یہ قائد اعظمؒ کا بہت بڑا کارنامہ تھا کہ انھوں نے جنگ وجدل کے بغیر صرف جمہوری جدوجہد کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اور آزاد وطن حاصل کر لیا۔ مگر افسوس کہ ہم نے قائد اعظمؒ کے بتائے ہوئے راستوں کو یکسر فراموش کر دیا۔''

قائد اعظمؒ کے تصورِ مملکت کے بارے میں قائد اعظمؒ کے اپنے خیالات اور قائد اعظمؒ کے قریبی ساتھیوں کی شہادت سے بہتر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ قائد اعظمؒ نے دوقومی نظریہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق پیش کیا تھا اور پاکستان کی اساس اسلام اور صرف اسلام ہے۔ پاکستان جس اساس پر بنایا گیا تھا اُسی اساس اور بنیاد پر رہتے ہوئے ہم پاکستان کو مضبوط، ترقی یافتہ اور ناقابل تسخیر بنا سکتے ہیں۔

بقائے پاکستان اور نظریۂ پاکستان ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔

............*
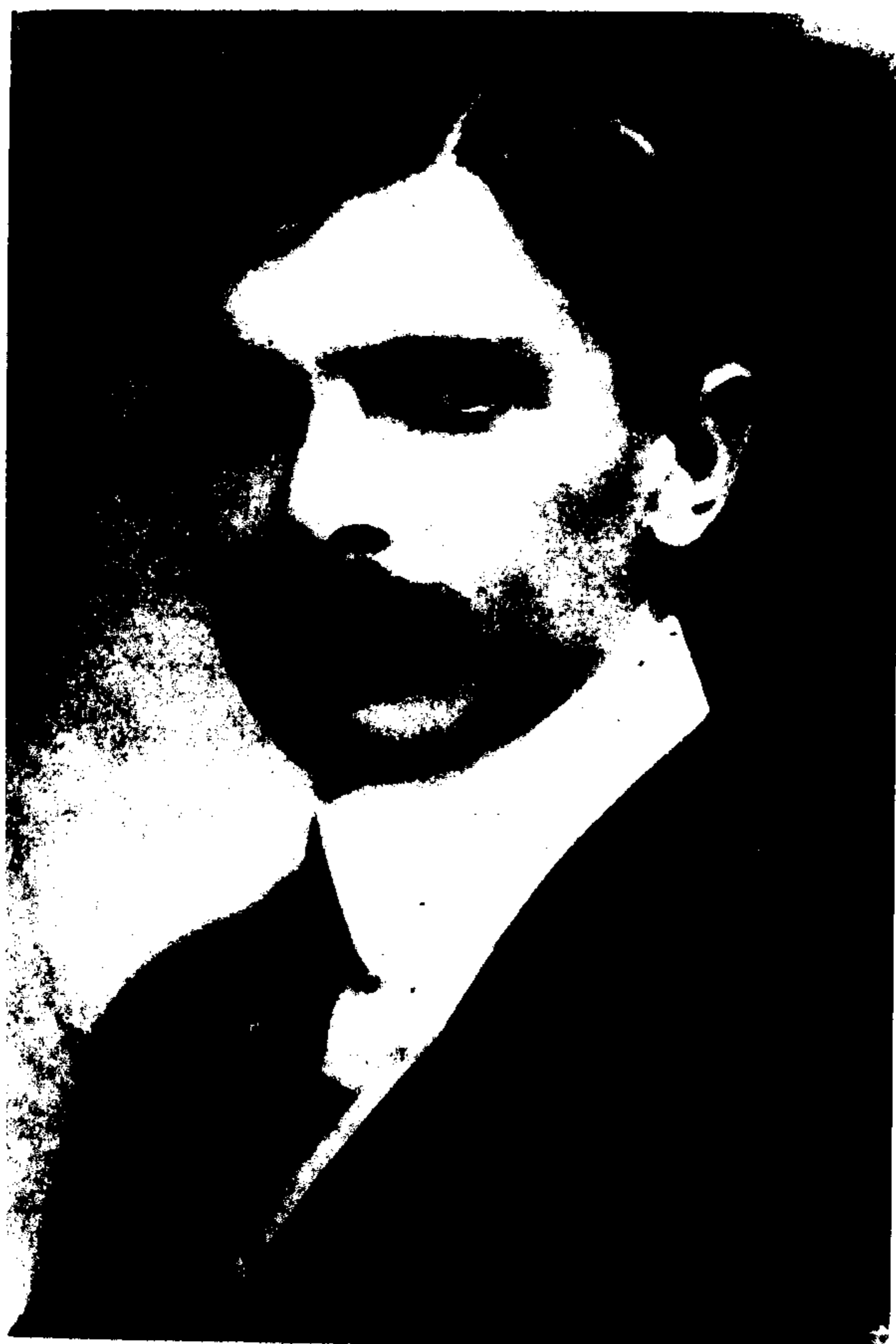
قائداعظمؒ اور لا الہ الا اللہ کا نعرہ

ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے 9 ستمبر کو لندن میں جو پریس کانفرنس کی ہے۔ اُس میں حالاتِ حاضرہ پر گفتگو سے پہلے معلوم نہیں انھیں کن وجوہات کی بنیاد پر یہ لب کشائی کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ قائداعظمؒ ایک لبرل، دیانت دار اور سیکولر انسان تھے، لیکن قائداعظمؒ کے بارے میں یہ کہا جارہا ہے کہ انھوں نے پاکستان بنانے کے لیے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا جب کہ انھوں نے کبھی یہ نعرہ نہیں لگایا۔ الطاف حسین نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے وہ جھوٹ، دھوکے اور فریب پر مبنی ہے۔ پاکستان میں پڑھائی جانے والی تاریخ میں جھوٹ کی تفصیلات پر تو الطاف حسین نے روشنی نہیں ڈالی، لیکن ہمارے خیال میں قائد اعظمؒ کو سیکولر قرار دینا کسی بھی صورت ایک دیانت دارانہ رائے نہیں۔ اگر الطاف حسین کی یہ رائے درست ہے کہ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ نہیں اور قائداعظمؒ نے قیام پاکستان کے لیے لا الہ الا اللہ کا نعرہ نہیں لگایا تھا تو پھر پاکستان کے لیے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کی ضرورت کیوں تھی؟ مہاجروں نے اگر اپنے مکان، جائیدادیں اور اپنے بزرگوں کی قبریں سب کچھ چھوڑ کر پاکستان کا رخ کیا تھا تو اُس کی بنیاد لا الہ الا اللہ تھی۔ مہاجروں کا پاکستان سے رشتہ صرف اور صرف لا الہ الا اللہ کی وجہ سے تھا۔ اگر مہاجروں کی منزل ایک سیکولر پاکستان تھا تو پھر سیکولر انڈیا میں اپنا مال،

جائیدادیں اور گھر بار سب کچھ لٹا کر پاکستان آنے کی کیا ضرورت تھی؟ الطاف حسین ایک مہاجر کے بیٹے ضرور ہیں، لیکن انھیں شاید پاکستان کے لیے کی جانے والی ہجرت کا حقیقی پس منظر معلوم نہیں۔ کانگرس اور قوم پرست علماء کا مؤقف یہ تھا کہ وطن کی بنیاد پر قوم بنتی ہے اس لیے انڈیا میں رہنے والے تمام ہندوستانی بلاتفریق مذہب ایک قوم ہیں، لیکن مسلم لیگ، علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ظاہر ہے مسلمان لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر ہی ایک جداگانہ قوم تھے اور ہیں۔

اگر ''ملت از وطن'' کا تصور درست ہوتا تو پھر انڈیا تقسیم ہی کیوں ہوتا؟ الطاف حسین نے قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی جس تقریر کا حوالہ دیا ہے اسی میں قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ انڈیا کی تقسیم کے علاوہ اور کوئی اقدام ممکن اور قابل عمل نہیں تھا۔ قائداعظمؒ نے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تاریخ اس کے حق میں فیصلہ کرے گی کہ متحدہ انڈیا کا تخیل غلط تھا۔

قائداعظمؒ نے انڈیا کے دستوری مسائل کا واحد اور درست حل انڈیا کی تقسیم کو قرار دیا تھا اور ظاہر ہے یہ تقسیم دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہوئی تھی اور دوقومی نظریہ کی بنیاد مذہب ہے وطن نہیں۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے ''ملت از وطن'' کے نظریے کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے فرمایا تھا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

علامہ اقبالؒ نے ''ملت از وطن'' کے تصور کو مقامِ محمد عربیؐ سے بے خبری قرار دیا تھا۔ وطن کی بنیاد پر قوم کا نظریہ اگر مقامِ محمدؐ سے بے خبری ہے تو دین کی بنیاد پر قوم کا

نظریہ مقامِ محمدؐ سے آگاہی یا دُوسرے لفظوں میں کلمۂ طیبہ کے باعث ہے اور یہی پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے کا پس منظر ہے۔

13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ:

> ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

قائد اعظمؒ غیر مبہم انداز میں فرما رہے ہیں پاکستان اسلام کے اصولوں کی تجربہ گاہ یعنی اسلام کی عملی صورت میں پریکٹس کے لیے بنایا گیا تھا۔ قائد اعظمؒ کا یہ فرمان اگر پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر مہاجروں کا تو پاکستان سے رشتہ ہی لا الہ الا اللہ کی وجہ سے ہے ورنہ ان کا پاکستان کی سرزمین سے کیا تعلق ہے؟ کیا کسی ہندو یا سکھ نے بھی انڈیا چھوڑ کر پاکستان کے لیے ہجرت کی تھی؟ انڈیا سے مسلمانوں کی ہجرت کی واحد بنیاد ہی لا الہ الا اللہ ہے۔ اس لیے مہاجروں کا تو سب سے محبوب نعرہ یہی ہونا چاہیے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ حیرت ہے کہ مہاجروں کا لیڈر ہی اس تاریخ ساز نعرے کی نفی کر رہا ہے، گویا وہ ہجرت کی بنیاد ہی کی نفی کر رہا ہے۔ اگر الطاف حسین کی واقعی یہ رائے ہے کہ پاکستان لا الہ الا اللہ کے لیے نہیں بنایا گیا تھا تو پھر وہ اپنی پوری پریس کانفرنس کے دوران بار بار قرآنِ حکیم کا حوالہ کیوں دے رہے تھے؟!

الطاف حسین نے یہ بھی کہا کہ قرآنِ حکیم سر پر اٹھانے کے لیے نہیں بلکہ پڑھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے ہے۔ سارا قرآن لا الہ الا اللہ کی تفسیر ہے۔ اگر الطاف

حسین قرآن پر سچ مچ ایمان رکھتے ہیں اور یقیناً رکھتے ہوں گے تو پھر قرآن صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ قرآن سیاست، معاشرت اور اقتصادی شعبوں میں بھی ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ الطاف حسین نے اپنی پریس کانفرنس میں منافقوں کے حوالے سے بھی قرآنی آیات کی تلاوت کی تھی اگر ہم قرآن ہاتھ میں پکڑ کر اللہ کی اس آخری کتاب سے منافقت کا مظاہرہ نہیں کر رہے تو پھر ہمیں قرآن کو اپنا قطعی اور آخری راہنما تسلیم کرنا پڑے گا۔

قائداعظمؒ نے حیدرآباد دکن میں 11 جولائی 1946ء کو ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''اس وقت میدانِ سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہو گا؟ علمِ غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآنِ مجید کو اپنا آخری اور قطعی راہنما بنا کر اس ارشادِ خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔''

قائداعظمؒ کے درج بالا فرمان کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ میدانِ سیاست میں ہندوؤں کے مقابلے میں کامیابی کے لیے یعنی قیام پاکستان کے لیے قائداعظمؒ مسلمانوں پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اپنا راہبر قطعی اور آخری طور پر قرآن کو بنا لیں تو دنیا کی کوئی طاقت میدانِ سیاست میں مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ یہاں میں قائداعظمؒ کے 1945ء کے ایک پیغامِ عید کا حوالہ بھی دینا چاہتا ہوں جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ:

"جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطۂ حیات جو روز مرّہ زندگی کے معاملات سے لے کر مذہبی امور تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لے کر جرم تک، اس دنیا میں سزا وجزا سے لے کر اگلے جہاں کی سزا وجزا تک کی حد بندی کرتا ہے۔"

قائداعظمؒ کے اس فرمان کے بعد تو اب کوئی جاہل ہی یہ بات کرسکتا ہے کہ قائد اعظمؒ کے نزدیک پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ نہیں تھا۔ قائداعظمؒ کا ایمان تھا کہ قرآن ہمارے لیے ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات کی کتاب ہے اور ہر شعبہ زندگی میں ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر قرآنِ حکیم سے راہنمائی لے سکتے ہیں۔ یہ راہنمائی یقیناً ہم نے پاکستان کے امور مملکت چلانے کے لیے لینی تھی اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

............*

سیکولر طبقہ اور تحریک پاکستان کے مخالف علماء

پہلے یہ سطور پڑھ لیں:

''مولوی حضرات نے قائداعظمؒ کو کبھی اس لائق ہی نہیں مانا تھا کہ وہ ایک اسلامی ملک کی تخلیق کر سکیں۔ قومی سطح کے تمام علمائے کرام مختلف ذرائع کے ساتھ ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ قائداعظمؒ کی قیادت میں بننے والا ملک اسلامی نہیں ہو سکتا۔ جماعتِ اسلامی والوں نے تو واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ پاکستان اگر بن بھی گیا تو وہاں پر قائم ہونے والی حکومت اسلامی نہیں، مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔''

درج بالا خیالات کا اظہار کرنے والے کی ذہنی الجھن یہ ہے کہ جن مولویوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے قائداعظمؒ کو عام مسلمان سمجھنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور مسلم لیگ کی پوری قیادت کو غیر اسلامی قیادت ثابت کرنے پر زور لگا دیا تھا، قیام پاکستان کے تھوڑے ہی عرصے بعد انھوں نے پاکستان میں نام نہاد اسلامی نظام رائج کرنے کی مہم شروع کر دی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ علمائے کرام کی ایک کثیر تعداد نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی اس کی ہم تردید نہیں کر سکتے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علماء کی ایک بڑی تعداد میں اور گدی نشین پیروں اور درویشوں نے تو تقریباً متفقہ طور

پر تحریک پاکستان میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ مگر تحریک پاکستان کے مقاصد کو عیاں کرنے کے لیے ہم نے کبھی کسی مولوی کی تقریر یا تحریر کا سہارا نہیں لیا۔ قیامِ پاکستان کے مقاصد کو بیان کرنے کے لیے مستند حوالہ صرف قائد اعظمؒ کی تقاریر، بیانات، خطبات اور اعلانات ہیں۔ اگر کسی مولوی یا جماعت اسلامی نے یہ لکھ دیا تھا کہ اگر پاکستان بن بھی گیا تو وہاں اسلامی نہیں بلکہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی تو اس بے بنیاد تنقید کا ہرگز یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان میں ہم کافرانہ حکومت قائم کر کے ہی چھوڑیں۔ جس سیکولر طبقہ کا یہ استدلال ہے کہ علماء حضرات نے چونکہ قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی اس لیے مولوی حضرات کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ پاکستان اسلامی نظریے کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔

میں انتہائی احترام سے اُس سیکولر طبقہ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علماء کے جس گروہ نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی اُن میں اکثریت اُن علماء کی تھی جو کانگرس میں باقاعدہ شامل تھے یا کانگرس کے سیکولر نظریات کے حامی تھے۔ ظاہر ہے جو کانگرس کے فلسفہ کے سپورٹر تھے وہ علماء کانگرس سے مل کر متحدہ ہندوستان میں اسلامی نظام رائج کرنے کے علمبردار نہیں ہو سکتے تھے اس لیے قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کو میں اسلامی نظامِ فکر کا نہیں بلکہ سیکولر طبقے کا ہم خیال سمجھتا ہوں۔

پاکستان کا سیکولر طبقہ پاکستان میں نظریۂ پاکستان اور اسلام کی ترویج کا سخت بلکہ بدترین مخالف ہے۔ جو علماء یا جو نام نہاد اسلامی جماعتیں تحریک پاکستان کے دوران اس نقطۂ نظر کو فروغ دے رہی تھیں کہ قائد اعظمؒ کی قیادت میں ایک اسلامی ملک تشکیل ہی نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ اُن کے خیال کے مطابق قائد اعظمؒ اپنی عام زندگی میں بھی مسلمان ہونے کی عملی شرائط پوری نہیں کرتے تھے۔ پاکستان کے سیکولر طبقہ اور تحریک

پاکستان کے مخالف علماء کے خیالات کا اگر آسان ترجمہ کیا جائے تو دونوں کا اس نکتے پر اتفاق دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قیامِ پاکستان کے مخالف علماء یہ پروپیگنڈا کرتے تھے قائداعظمؒ کی قیادت میں بننے والا ملک اسلامی نہیں ہوسکتا اور سیکولر طبقہ کی بدنیتی اور بدباطنی کا اظہار ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ پاکستان کی بنیاد اسلامی نہیں ہے۔

ایک طبقہ یعنی متحدہ انڈیا کے حامی علماء یہ رائے رکھتا تھا کہ قائداعظمؒ میں ایک اسلامی ملک کی تخلیق کی صلاحیت ہی موجود نہیں اور سیکولر طبقے کا یہ خیال ہے کہ پاکستان اسلامی نظام حیات کے لیے بنایا ہی نہیں گیا تھا۔

میرے نزدیک یہ دونوں طبقے قائداعظمؒ کی تعلیمات کے صحیح ترجمان نہیں۔ قائداعظمؒ کے دل ودماغ کی صحیح ترجمان ان کی اپنی تقاریر اور اعلانات ہیں۔ تحریک پاکستان اور نظریۂ پاکستان کا حقیقی پس منظر سمجھنے کے لیے نہ تو ہم تحریک پاکستان کے مخالف علماء کی تقاریر کو حجت سمجھتے ہیں اور نہ ہی سیکولر طبقے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ژولیدہ فکری اور درہم وبرہم خیالات کو قائداعظمؒ کی تعلیمات کا ترجمان قرار دیں۔

قائداعظمؒ کے فکروذہن کو سمجھنے کے لیے واحد مستند ذریعہ قائداعظمؒ کی اپنی تحریر تقریر ہوسکتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں قائداعظمؒ کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگانی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو

یا معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔''

درج بالا تقریر کسی قوم پرست عالم دین کی نہیں ہے۔ نہ ہی یہ خیالات مولانا ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی، مجلس احرار کے کسی لیڈر یا جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے ہیں۔ اور نہ ہی کسی ایسے مولوی کی تقریر ہے جن کا یہ شرم ناک بیان تھا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اور ہمارے بڑے پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔

مندرجہ بالا ارشاد بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا ہے۔ جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ قرآنی تعلیمات تمام شعبہ ہائے زندگی کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔

میرا سیکولر طبقے سے یہ سوال ہے کہ کیا کوئی ایسا سیاست دان جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن مجید کی تعلیمات نہ صرف زندگی کے روحانی پہلو بلکہ معاشی، سیاسی اور معاشرتی تمام پہلوؤں پر محیط ہے اُسے آپ سیکولر ثابت کر سکتے ہیں؟ قائد اعظمؒ کے فکر و ذہن میں قرآن کی تعلیمات کس حد تک رچی بسی ہوئی تھیں اس کا اندازہ آپ قائد اعظمؒ کے اِن ارشادات سے لگا سکتے ہیں:

''اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن حکیم کے اصول اور احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارے کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔''

اگر کسی کے ذہن میں کوئی فتور، شرارت یا بدنیتی موجود نہیں تو قائد اعظمؒ کے ان ارشادات کے بعد نظریۂ پاکستان اور دو قومی نظریہ کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی۔ قائد اعظمؒ ایک صاف فکر وذہن رکھنے والے انسان تھے۔ اس لیے ان کے خیالات میں بھی کوئی ابہام یا پیچیدگی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے میں سیکولر طبقے پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں اسلام اور نظریۂ پاکستان کی ترویج کے لیے جو لوگ کام کر رہے ہیں بالخصوص نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کا جو پلیٹ فارم ہے یہ سب قائد اعظمؒ کی تعلیمات کے مخلص پیروکار ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نیشنلسٹ علماء کا وارث نہیں جنھوں نے مذہب کی آڑ میں قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ میری تو یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ تحریک پاکستان کے مخالف علماء اور پاکستان کا سیکولر طبقہ اندر سے دونوں ایک ہیں۔ ایک پاکستان کے وجود اور قیام کے خلاف تھا اور دوسرا پاکستان کے نظریاتی تشخص کے مخالف ہے۔ ایک کی خواہش تھی کہ پاکستان بنے ہی نہ دوسروں کی مستقل کوشش ہے کہ اُس بنیاد کو کھوکھلا کر دینا چاہیے جس پر پاکستان قائم ہوا تھا۔

اندرا گاندھی نے پاکستان ٹوٹنے پر نظریۂ پاکستان کو باطل قرار دے دیا تھا۔ پاکستان میں موجود سیکولر طبقہ بھی نظریۂ پاکستان کو ہی جھوٹا، مشکوک اور باطل ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے۔ لیکن قرآن کا یہ فیصلہ ہے کہ باطل ہی مٹنے کے لیے ہے اور باطل وہی ہیں جو پاکستان کے حوالے سے اسلام اور نظریۂ پاکستان کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔

میرا ایمان ہے کہ جس طرح تحریک پاکستان انگریزوں، ہندوؤں اور کانگرسی علماء کی مخالفت کے باوجود کامیاب ہوئی تھی، اسی طرح پاکستان میں کاروانِ نظریۂ پاکستان ہی کامیاب رہے گا، سیکولر طبقہ ناکام ونامراد ہی رہے گا۔

قائداعظمؒ کا نظریۂ پاکستان

لاہور میں نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام تیسری نظریۂ پاکستان کانفرنس شروع ہو چکی ہے۔ اس کالم کی اشاعت تک یہ کانفرنس ممکن ہے اپنے زریں مقاصد کو اجاگر کرنے کے بعد اپنے اختتام تک پہنچ جائے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نظریۂ پاکستان کا نام سن کر ہمارے بعض ''دانشوروں'' کو غشی کے دورے پڑنا کیوں شروع ہو جاتے ہیں؟ یہ پروپیگنڈا بھی کیا جاتا ہے کہ نظریۂ پاکستان کا قائداعظمؒ کی تعلیمات اور قیامِ پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ کچھ حضرات یہ افسانہ تراشتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان ان لوگوں کی ایجاد ہے جو تحریک پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظریۂ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہرگز نہیں۔

نظریۂ پاکستان کے خلاف اس مذموم اور بے بنیاد پراپیگنڈا کی موجودگی میں نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لیے ایسی کانفرنسوں کا انعقاد ضروری ہو جاتا ہے جیسی تاریخ ساز نظریۂ پاکستان کانفرنس کا انعقاد لاہور میں تیسری مرتبہ کیا گیا ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ ایسی ہی کانفرنسوں کا انعقاد چاروں صوبوں کے دار الحکومت میں بھی کیا جائے اور نئی نسل تک یہ پیغام مؤثر طور پر پہنچایا جائے کہ قیامِ پاکستان محض ایک علاقہ کے حصول کے لیے جدوجہد کا نام نہیں بلکہ قائداعظمؒ کے پیش نظر ایک اسلامی اور فلاحی

مملکت کا عظیم تر مقصد تھا۔ میں قائد اعظمؒ کی تعلیمات میں آمیزش کرنے کے عمل کو پاکستان سے غداری کرنے کے مترادف سمجھتا ہوں۔ اس لیے نظریۂ پاکستان کے دشمنوں کو میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ نظریۂ پاکستان کو قیامِ پاکستان کے مخالفین کی ایجاد قرار دینے کے بجائے براہِ راست قائد اعظمؒ سے قیامِ پاکستان کے مقاصد سمجھنے کی کوشش کریں۔

میں یہاں 1943ء کی قائد اعظمؒ کی ایک تقریر کا اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں، قائد اعظمؒ نے فرمایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی عظیم کتاب قرآنِ مجید ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے۔ ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک امت۔''

قائد اعظمؒ نے ایک خدا، ایک رسولؐ یعنی کلمۂ طیبہ اور ایک کتاب یعنی قرآنِ مجید کو ایک امت کی اساس قرار دیا ہے، یہی وہ اساس ہے جس پر پاکستان کی عمارت تعمیر کی گئی۔ قائد اعظمؒ سے بہتر پاکستان کے نظریہ کی شرح اور کون کرسکتا ہے۔ کیوں کہ وہ پاکستان کے بانی ہیں۔ قائد اعظمؒ نے 18 مارچ 1944ء کے اپنے ایک خطاب میں کہا:

''پاکستان کے تصور کو جو مسلمانوں کے لیے ایک عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے برصغیر کے مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کی حفاظت،

نجات اور تقدیر کا راز اسی تصور میں پوشیدہ ہے اور اسی مملکت سے یہ آواز پوری دنیا میں گونجے گی کہ اس عالم میں ایک ایسی مملکت بھی ہے جو اسلام کی عظمت رفتہ کو از سرِ نو زندہ کرے گی۔"

قائد اعظمؒ کے نزدیک پاکستان کے قیام کا تصور اسلام کی عظمت رفتہ کو زندہ کرنے کے عمل سے جڑا ہوا ہے۔ اگر پاکستان کو اسلام کی عظمتِ گزشتہ کا گہوارہ بنانے کے لیے کوئی تنظیم سرگرم عمل ہوتی ہے تو وہی تنظیم نظریۂ پاکستان کی علمبردار ٹھہرے گی۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ مجید نظامی کی قیادت میں یہی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ قائد اعظمؒ جب اسلام کی عظمت رفتہ کی بات کرتے تھے تو اس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ پاکستان کی صورت میں ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں اسلام کا عادلانہ نظام اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ قائد اعظمؒ نے دوٹوک انداز میں فرمایا تھا کہ:

"پاکستان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہمیں صرف اپنی آزادی حاصل نہیں کرنی۔ ہمیں اس قابل بھی بننا ہے کہ اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

مجید نظامی نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے پلیٹ فارم سے قائد اعظمؒ کی وہی تعلیمات ہمارے سامنے دہرا رہے ہیں جن تعلیمات کا اظہار قائد اعظمؒ نے پاکستان بناتے وقت پوری دنیا کے سامنے کیا تھا۔ قائد اعظمؒ کے افکار کا سیدھا اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ قائد اعظمؒ اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصولوں پر مبنی ایک آزاد جمہوری مملکت کے قیام کے

داعی تھے اور یہی نظریۂ پاکستان ہے۔ یہ بحث انتہائی فضول اور بے معنی ہے کہ نظریۂ پاکستان کے الفاظ خود قائد اعظمؒ نے کبھی استعمال کیے ہیں یا نہیں؟ قابل توجہ بات یہ ہے کہ قائد اعظمؒ نے کس طرح کے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ نومبر 1945ء میں قائد اعظمؒ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے سامنے ہیں:

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطۂ حیات، ثقافتی نشوونما، روایات اور اسلامی قانون کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

قائد اعظمؒ کے ان الفاظ کو میں قائد اعظمؒ کی جانب سے نظریۂ پاکستان کی مختصر مگر جامع تعریف قرار دیتا ہوں۔ قائد اعظمؒ کا یہی وہ نظریۂ پاکستان ہے جو پاکستان کی حفاظت، سلامتی اور ترقی کا ضامن ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ یہی وہ نظریہ تھا جو پاکستان کے قیام کا باعث بنا۔

............*

قائداعظمؒ کے خطبات سے استدلال

ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟ پاکستان کی خاطر ہندوستان کے مسلمانوں نے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کیوں کی؟ وہ علاقے جواب بھی انڈیا کا حصہ ہیں اُن علاقوں کے مسلمان باشندوں نے پاکستان کے حق میں سب سے زیادہ ووٹ کیوں دیئے تھے؟ ان سوالات کا جواب جاننے کے لیے ہم بھانت بھانت کی بولیاں سننے کے بجائے اگر قائداعظمؒ کی تعلیمات کا براہِ راست مطالعہ کرلیں تو مطالبۂ پاکستان کے اصل محرکات سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔

قائداعظمؒ کو انگریز کی غلامی اور ہندو کے رام راج کے خلاف بغاوت کرنے پر جن اسباب نے آمادہ کیا وہ مسلمانوں کا شان دار ماضی، قابلِ فخر روایات اور اسلام کے بنیادی اصول تھے۔ 8مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجۂ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔''

قائداعظمؒ کی یہ وہی مشہور تقریر ہے جس میں آگے چل کر انھوں نے یہ فرمایا کہ:

''پاکستان اُسی دن معرضِ وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن نہیں نہ نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔''

قائداعظمؒ کے نزدیک مسلم قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور پاکستان اسی مسلم قومیت کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا ہے۔ جب ہم نے پاکستان کے قیام کی غایت وغرض جاننے کے لیے قائداعظمؒ سے راہنمائی حاصل کی ہے تو یہ سمجھنے کے لیے بھی کہ پاکستان، اسلام کے مکمل اثبات ونفاذ کے لیے بنایا گیا تھا یا ہماری منزل صرف ایک مسلم قومی ریاست تھی؟ ہمیں قائداعظمؒ سے رجوع کرنا چاہیے۔ قائداعظمؒ نے میمن چیمبرز آف کامرس کے ممبران سے خطاب کرتے ہوئے جون 1938ء میں کہا تھا کہ:

''مسلمانوں کے لیے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں ہماری اقتصادی، تمدنی ومعاشرتی اصلاح وترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانونِ الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔''

قائداعظمؒ کا کہنا تھا کہ ہمارا مذہب ہمیں آزادی حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قائداعظمؒ آزادی کے طلب گار ہی اس وجہ سے تھے کہ وہ قرآنِ کریم کے اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی اصلاح وترقی کے پروگرام پر عمل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے

مسلمانوں کے الگ وطن اور اپنی حکومت کی ضرورت تھی۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح وتعمیر کے حوالے سے کس حد تک حساس اور متمنی تھے اس کا اندازہ قائداعظمؒ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے 1938ء میں کانگرس سے مطالبہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے لیے اردو زبان میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہنے دیا جائے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ:

''جب مسلمان بچے ہندی زبان پڑھیں گے، ہندو لٹریچر کا مطالعہ کریں گے، ہندو فلسفہ پڑھیں گے تو اُن کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی حالت کیسی ہو جائے گی؟ کیا وہ برائے نام مسلمان بھی رہ جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اردو زبان مٹ جائے گی اور مسلمان اپنی تمام اسلامی خصوصیات کھو بیٹھیں گے۔''

قائداعظمؒ نے اردو زبان کے مقابلے میں ہندی زبان اور ہندی لٹریچر کی مخالفت کی تو اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ قائداعظمؒ کو مسلمانوں کی معاشرتی اور مذہبی خصوصیات کا تحفظ عزیز تھا۔ قائداعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بحیثیت مسلمان دوسری اقوام کے تمدن، معاشرت اور تہذیب کا پورا احترام ہے، لیکن مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدن اور فلسفہ سے بالکل بے بہرہ ہوں۔

پاکستان بنانے کے پس منظر میں قائداعظمؒ کا یہ شدید احساس بھی کارفرما تھا کہ مسلمانوں کے لیے یہ امر قطعاً ناقابلِ قبول اور ناقابلِ برداشت تھا کہ وہ اپنی حیات وممات، زبان، تمدن وتہذیب ہندوؤں کی ایک ایسی اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں جس کا مذہب، تہذیب وتمدن مسلمان سے قطعاً مختلف ہے اور جن ہندوؤں کا

مسلمانوں کے ساتھ سلوک نہایت برا بلکہ مذموم اور غیر منصفانہ ہے۔

قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کا آغاز کیا تو اُن کے ہاتھ میں اسلام کا پرچم تھا۔ قائداعظمؒ نے ایک تقریب میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا تو اُن کی تقریر درج ذیل الفاظ میں 24 فروری 1938ء کے روزنامہ انقلاب میں شائع ہوئی:

''جو جھنڈا آج لہرایا گیا ہے یہ نیا جھنڈا نہیں ہے بلکہ تیرہ سو برس پہلے کا اسلامی جھنڈا ہے جس کے نیچے مسلمانوں نے دنیا میں انصاف اور مساوات کی حکومت قائم کی اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت کی۔ یہ جھنڈا دو سو برس ہوئے کہ ہندوستان میں کمزور ہو چکا تھا۔ مگر اب مسلم لیگ اس جھنڈے کی عزت برقرار رکھنے کے لیے میدان میں آئی ہے۔ اب یہ جھنڈا آپ (مسلمان قوم) کے ہاتھ میں ہے اس کی عزت برقرار رکھو اور اسے سرنگوں نہ ہونے دو۔''

قائداعظمؒ جب دین اسلام کی بات کرتے تھے تو انھیں اپنے دین کی وسعت کا پوری طرح علم تھا۔ قائداعظمؒ انگریزی زبان اور محاورہ کے مطابق Religion کے محدود مفہوم اور تصور کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیوٹ معاملہ نہیں تھا کیوں کہ اسلام صرف عقیدے اور عبادت کا نام نہیں ہے۔ قائداعظمؒ کے اپنے الفاظ دیکھیں:

''میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعوی ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے تئیں کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں اسلامی زندگی کا روحانی پہلو، معاشرت، سیاست، معیشت غرض انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے

جو قرآنِ مجید کی تعلیمات سے باہر ہو۔ قرآن کی اصولی ہدایت اور سیاسی طریقہ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے ہی بہترین ہے بلکہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کے جو آئینی حقوق ہیں اُس سے بہتر تصور بھی کسی اور نظام میں موجود نہیں۔''

قائداعظمؒ کے دل و دماغ میں یہ تصور بھی بالکل واضح تھا کہ ایک مسلمان ریاست کبھی سیکولر اسٹیٹ نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے خود ایک موقع پر اسلامی حکومت کے خدوخال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''اسلامی حکومت کا یہ بنیادی امتیاز پیشِ نظر رہے کہ اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ اس لیے تعمیل کا مرکز قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی اور نہ ہی کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔''

اب جو حکومت قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق قرآن کے احکام اور اصولوں کی پابند ہو گی اور جو پارلیمنٹ بھی قرآنِ مجید پر عمل کرنے کی ذمہ دار ہو گی اُسے سیکولر حکومت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اگر قائداعظمؒ کے ذہن کے کسی گوشہ میں سیکولر اسٹیٹ کا تصور موجود ہوتا تو وہ کیسے یہ فرما سکتے تھے کہ ہماری حکومت کی اطاعت اور وفاکیشی کا مرکز اللہ کی ذات ہے اور ہم قرآنِ حکیم کے اصولوں اور احکام کے پابند ہوں گے۔

قائداعظمؒ نے کتنی خوبصورت اور لطیف بات کی ہے کہ ہم کسی بادشاہ، پارلیمنٹ یا کسی اور ادارے کے فیصلوں کے پابند نہیں بلکہ یہ تمام ادارے اسلام کے تابع ہوں گے۔ قائداعظمؒ نے تو پاکستان کو اسلام کا قلعہ اور اسلام کا پشت پناہ بھی قرار دیا تھا۔ قائد

اعظمؒ کی 30 اکتوبر 1947ء کی لاہور میں تقریر کا یہ ایمان افروز اقتباس ملاحظہ کریں:

''میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ یہ عہد کرے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور دنیا کی عظیم ترین قوموں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔''

قائداعظم نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کے حضور ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے بھی 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن کی تقریب میں اسلام کے جامع اور ہمہ گیر نظام پر روشنی ڈالی تھی۔ قائداعظمؒ نے اپنی اس ناقابل فراموش تقریر میں ان لوگوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا تھا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ قائداعظمؒ نے زور دے کر کہا تھا کہ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اُسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔

قائداعظمؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص سے انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کے بنیادی سنہری اصول ہیں۔ کائنات کے سب سے بڑے انسان حضرت محمد ﷺ کے لیے قائد کا رنگِ عقیدت دیکھیے:

''آج ہم یہاں دنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آپؐ کی عزت و تکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں کرتے بلکہ دنیا کی عظیم شخصیتیں بھی آپؐ کے سامنے سر تعظیم خم کرتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار، بندۂ ناچیز اتنی عظیم، عظیموں کی بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے خراجِ تحسین پیش کر سکتا ہوں۔ رسول کریم عظیم

مصلح تھے، عظیم راہنما تھے، عظیم قانون عطا کرنے والے تھے، عظیم سیاست دان تھے، عظیم حکمران تھے۔''

بارگاہِ رسالت مآبؐ میں قائداعظمؒ کی عاجزی وانکساری اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے قائداعظمؒ کی عقیدت کا یہ انداز ملاحظہ کرنے کے بعد بھی کیا کوئی بدبخت شخص قائداعظمؒ کی نیت پر شبہ کرسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں رسولِ اکرمؐ کے نظام کو نافذ کرنے میں مخلص نہیں تھے۔ قائداعظمؒ تو قیام پاکستان کو مشیت ایزدی اور رسول اللہ ﷺ کا روحانی فیضان قرار دیتے تھے اور اُن کا کہنا تھا کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو بنیا نے قرطاسِ ہند سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی وہ صرف اللہ کے فضل وکرم اور رسولِ خداؐ کے روحانی فیض سے آزاد ہوئی ہے اور آج اس قوم کا اپنا جھنڈا، اپنا ملک، اپنی حکومت، اپنا سکّہ اور اپنا آئین ودستور ہے۔ قائداعظمؒ نے ان خیالات کا اظہار اپنی زندگی کے آخری ایام کے دوران اپنے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ کے سامنے کیا تھا۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی یہ شہادت اُن کے مضمون ''قائداعظم کے آخری ایام'' میں محفوظ ہے۔ قائداعظمؒ نے 23 فروری 1947ء کو بھی اپنی ایک تقریر میں واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

'ہم صحیح معنوں میں ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں۔ ہم اس سے بھی بہت زیادہ حاصل کر سکتے۔ بشرطیکہ ہم اس راہ سے انحراف نہ کریں جو عظیم ترین پیغمبر محمد ﷺ نے ہمارے لیے متعین کی تھی۔''

(پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے موضوع پر سیرت سٹڈی سنٹر کی تقریب میں پڑھا گیا)۔

نظریۂ پاکستان اور بددیانت دانشور

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں ہوگی۔ آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس قبل ہوتا تھا۔''

''اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اُس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔''

''اسلام نہ صرف رسم ورواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی زندگی اور اُس کے روّیوں بلکہ اُس کی سیاست واقتصادیات وغیرہ پر بھی محیط ہے۔ اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات، آزادی اور بھائی چارہ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔''

بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے درج بالا گراں مایہ خیالات ان کی

ایک تاریخی تقریر کا خلاصہ ہیں جو انھوں نے 25 جنوری 1948ء کو کراچی میں بار ایسوسی ایشن کی ایک تقریب میں ارشاد فرمائی تھی۔ یہ تقریب حضور نبی کریم ﷺ کی عظیم المرتبت شخصیت کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ قائد اعظمؒ نے اپنی اس تقریر میں جہاں رسول اکرم ﷺ کو بطورِ عظیم رہبر، عظیم قانون عطاء کرنے والے، بطور عظیم مدبر اور بطورِ عظیم حکمران اپنی عقیدتوں کا مرکز ومحور قرار دیا وہاں وکلاء (قانون دانوں) کے سامنے اپنے تصورِ پاکستان کی منفرد انداز میں تصویر کشی بھی کی۔

قائد اعظمؒ نے جنوری 1948ء میں کتنی بصیرت افروز بات کہی کہ کچھ لوگ دانستہ طور پر شرارتاً یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان کا دستور اسلامی شریعت پر مبنی نہیں ہو گا۔ شاید قائد اعظمؒ کو یہ علم تھا کہ قیامِ پاکستان کے 64 سال بعد 2011ء میں بھی ایسے عناصر موجود ہوں گے جو انتہائی ڈھٹائی سے اس دانشورانہ بددیانتی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے کہ قیام پاکستان کے لیے جدوجہد ایک مسلم ریاست کی تشکیل کے لیے نہیں تھی۔ قائد اعظمؒ کو ایک دیدہ ور سیاست دان اور عظیم مدبر کی حیثیت سے یہ احساس بھی تھا کہ جو لوگ قیامِ پاکستان کے مخالف ہیں اور جنھیں پاکستان کے قیام کی صورت میں قائد اعظمؒ کی فتح کے مقابل ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے پاکستان کی نظریاتی شناخت کے تصور کو دھندلانے اور قوم کے ذہن کو برگشتہ کرنے کے لیے اس نئے ملک کی نظریاتی سرحدوں پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔

اگر قائد اعظمؒ کو اپنی بصیرت کے بل بوتے پر ان خطرات کا یہ احساس نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری اجلاس منعقدہ 15 دسمبر 1947ء میں اپنے

خطاب میں یہ الفاظ استعمال نہ کرتے کہ:

''پاکستان میں پاپائیت نہیں ہوگی، لیکن میں صاف طور پر واضح کر دوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مسلم ریاست ہوگی۔ تمام دنیا حتیٰ کہ ادارہ اقوام متحدہ نے بھی پاکستان کو ایک مسلم ملک قرار دیا ہے۔''

ایک گم کردہ راہ ''دانشور'' کا ایک معاصر اخبار میں ''پاکستان کے قومی مقاصد کیا ہیں؟'' کے سوال پر یہ جواب شائع ہوا ہے کہ پاکستان کی تحریک ایک مذہبی اسلامی ریاست کی تشکیل کی تحریک نہیں تھی اور یہ کہ لیاقت علی خاں نے اُن مذہبی جماعتوں کی منظور کردہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا تھا جن جماعتوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ جس اخبار میں ''دانشور'' صاحب کے یہ خیالات شائع ہوئے اس اخبار نے مذکورہ ''دانشور'' کو معروف دانشور قرار دیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی اساس پر کلہاڑا چلانے اور بانیان پاکستان کے خیالات کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے والوں کو ہی اگر معروف ''دانشور'' قرار دینا ہے تو پھر بدنام یا رسوائے زمانہ کے الفاظ کا محلِ استعمال کیا رہ جائے گا؟ بہرکیف اُن معروف یا بدنام ''دانشور'' صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر پاکستان کی تحریک ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے نہیں تھی تو بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کو کبھی بھی ان خیالات کے اظہار کی ضرورت پیش نہ آتی کہ:

''پاکستان کا قیام جس کے لیے ہم گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے۔ اب اللہ کے فضل سے ایک مسلمہ حقیقت بن چکا ہے۔ لیکن پاکستان کا حصول ہمارے لیے ایک ذریعۂ مقصد ہے اصل مقصد نہیں۔ ہمارے عظیم مقاصد یہ تھے کہ ایک ایسی مملکت ہونی چاہیے جس میں آزاد

انسانوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں اور جس میں اپنی ثقافت اور اپنی صوابدید کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصولوں کو رُو بہ عمل لایا جا سکے۔"

اگر کوئی شخص ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ نہ ہو چکا ہے تو وہ بانیٔ پاکستان کے اس دوٹوک اعلان کو جو انھوں نے 11 اکتوبر 1947ء کو خالق دینا ہال کراچی میں فرمایا تھا کو پڑھ، سن اور سمجھ لینے کے بعد کیوں کر یہ بات اپنی زبان پر لا سکتا ہے کہ پاکستان کی تشکیل کی جدوجہد ایک اسلامی ریاست کے لیے نہیں تھی۔ کیا جس ملک میں قائداعظمؒ اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصولوں کو جاری وساری کرنے کے آرزومند تھے اور جس ملک کے بارے میں قائداعظمؒ یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک ریاست ہوگی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا قرینِ انصاف ہے کہ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان کے قیام کا مقصد اسلام نہیں کچھ اور تھا۔

قائداعظمؒ نے تو اسلام اور صرف اسلام کو پاکستان کی اساس قرار دیا۔ ان کا ایک ناقابل فراموش حکیمانہ قول کچھ اس طرح ہے کہ:

"پاکستان اسی دن معرضِ وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے وطن یا نسل نہیں۔ ہندوستان کا جب پہلا شخص مسلمان ہوا تھا وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔"

قائداعظمؒ کے ان تصورات میں معمولی سا بھی ابہام نہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں کوئی فتور نہیں اور کسی کے دل میں دین اسلام کے لیے معاندانہ جذبات نہیں تو وہ قائد

اعظمؒ کی مذکورہ بالا تعلیمات کی روشنی میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟ قائداعظمؒ کے نزدیک انڈیا میں صرف پہلے ایک شخص کے مسلمان ہونے سے مسلم قومیت کی اساس پر پاکستان کی عمارت استوار ہو جاتی ہے۔ پھر ایک اور موقع پر قائداعظمؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں قیامِ پاکستان کے مقاصد کی نشان دہی اور کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کے باوجود کسی کور باطن دانشور کا یہ کہنا کہ پاکستان کی بنیاد ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے نہیں رکھی گئی تھی سوائے دانشورانہ بددیانتی کے اور کیا ہے؟!

جس کوڑ مغز دانشور کو پاکستان کے قومی مقاصد پر روشنی ڈالنے کی دعوت دی گئی تھی، اُن کا نظریۂ پاکستان کے بارے میں ''ارشاد'' یہ ہے کہ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح یحییٰ خان کے دور میں مذہبی جماعتوں نے وضع کی تھی۔ یعنی یہ قرار دینا کہ پاکستان کے وجود کا بنیادی سرچشمہ اسلام ہے۔ مذہبی جماعتوں کی اِختراع ہے جب کہ قائداعظمؒ کی سوچ اس کے برعکس تھی۔

میں اس بحث میں الجھنے کے بجائے کہ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے اور کب استعمال کی نظریۂ پاکستان اور اسلام سے الرجک دانشور کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب قائداعظمؒ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پاکستان سے یہ مراد نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں بلکہ مسلمان پاکستان کا قیام اس لیے چاہتے ہیں کہ وہ اپنے الگ ملک میں اسلامی اصولوں اور تصورات کی حکمرانی دیکھنا

چاہتے ہیں اور جب قائد اعظمؒ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے ملک میں صحیح اسلامی جمہوری اصول واقدار کا احیاء چاہتا ہوں تو کیا قائد اعظمؒ کے ان ارشادات کو پاکستان کے اساسی مقاصد اور نظریۂ قرار نہیں دیا جا سکتا؟

قائد اعظمؒ کے اس تصور پاکستان سے قرار دادِ مقاصد کی کون سی شق متصادم ہے؟ کیا نظریۂ پاکستان کی اصطلاح سے خوف زدہ دانشور وضاحت کر سکیں گے؟ یہ بات چاہے اسلام اور نظریۂ پاکستان سے دشمنی رکھنے والوں کو کتنی ہی ناگوار گزرے لیکن قائد اعظمؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

"ہم میں سے ہر شخص یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی عظیم ترین قوموں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہو گا۔"

یہ الفاظ کہ پاکستان کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنایا جائے گا، کسی مذہبی جماعت کے لیڈر کے نہیں، بانیٔ پاکستان کے ہیں۔ قائد اعظمؒ کے ان تاریخی الفاظ کو نظریۂ پاکستان تسلیم کرنے سے انکار کوئی بد دیانت دانشور ہی کر سکتا ہے۔

............*

ایوانِ قائد اعظمؒ کا میں بھی مقروض ہوں

قائد اعظمؒ کے سپاہی اور علامہ اقبالؒ کے مرید اور ارادت مند جناب مجید نظامی مسائل اور مصائب سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔ اُن کی مستقل مزاجی اور پختہ عزم وارادے کے باعث بالآخر لاہور میں ایوانِ قائد اعظمؒ کی تعمیر کا باقاعدہ آغاز ہو گیا ہے۔ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں، لیکن ہم وہ احسان فراموش قوم ہیں کہ قیامِ پاکستان کے 64 سال بعد ہم پوری پاکستانی قوم کے باپ بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے لاہور میں واحد ایوانِ قائد اعظم کی تعمیر شروع کرنے میں اب کامیاب ہوئے ہیں۔

میں انتہائی دیانت داری سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ اگر مجید نظامی اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کا وجود نہ ہوتا تو پاکستان میں ایوانِ قائد اعظمؒ کی تعمیر اب بھی ایک خواب کی بات ہوتی۔ مجھے اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ہم بطورِ قوم قائد اعظمؒ کے ترکے اور میراث کی حفاظت نہیں کر سکے۔

16 دسمبر 1971ء کو سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ کا وہ پاکستان باقی نہ رہا جو 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اگر ہم قائد اعظمؒ کے نام اور کام کی عظمت کے امین ہونے کے دعویدار ہیں تو پھر ہمیں قائد اعظمؒ کی میراث کی پوری طرح حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ اگر ہم قائد اعظمؒ کے ناخلف اور نالائق بیٹے نہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی

اس نعمت اور قائد اعظمؒ کے اُس احسان کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے جو نعمت ہمیں 14 اگست 1947ء کو عطا ہوئی تھی۔ لاہور میں ایوانِ قائد اعظمؒ کی تعمیر کے آغاز سے مجھے اس لیے بھی خوشی ہوئی ہے کہ یہ ایوانِ قائد اعظمؒ بطور قوم ہماری نظروں سے نظریۂ پاکستان کے راستے اور قائد اعظمؒ کے متحدہ پاکستان کی منزل کو اوجھل نہیں ہونے دے گا۔

ایوانِ قائد اعظمؒ صرف سنگ وخشت کی ایک عمارت نہیں ہوگی بلکہ ایوانِ قائد اعظمؒ میں قائد اعظمؒ کے افکار اور عظمت کردار کی روشنی میں نئی نسل کی اس انداز میں تربیت کی جائے گی کہ ہماری نوجوان نسل دنیا کے نقشہ پر ایک بار پھر قائد اعظمؒ کے 14 اگست 1947ء والا پاکستان قائم کر کے اپنی پیشانی سے سقوطِ مشرقی پاکستان کے داغ کو مٹا ڈالے گی۔

قائد اعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دنوں میں علی گڑھ یونیورسٹی کو پاکستان کا اسلحہ خانہ قرار دیا تھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو چھوٹا سا پاکستان بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ یہ ادارہ تحریک پاکستان کی سرگرمیوں کا پر جوش مرکز تھا۔ لاہور کا ایوانِ قائد اعظمؒ بھی اپنے وجود میں ایک چھوٹا سا پاکستان ہوگا جہاں صرف اور صرف پاکستان کے لیے سوچا جائے گا کیوں کہ اپنی ذات کے لیے سوچنے کی خاطر یہاں پہلے ہی بہت سے مراکز موجود ہیں جن میں سرفہرست ایوانِ صدر اور اس کے بعد وزیر اعظم ہاؤس ہے۔ ایوانِ قائد اعظمؒ تحریک پاکستان کے جذبوں کا امین ہوگا اور اس کے نتائج وہی ہوں گے جو ثمرات تحریک پاکستان کے تھے کہ ہمیں آزادی جیسی لازوال نعمت ملی اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آئی۔

ایوانِ قائد اعظمؒ کا میں ذاتی طور پر مقروض ہوں۔ اور یہ قرضہ مجھ پر اُس وقت سے واجب ہے جب 5 اپریل 1955ء کو میں نے پاکستان میں پہلی سانس لی تھی۔ یہ

قائداعظمؒ کا احسان ہے کہ میں پیدا ہوتے ہی ایک آزاد ملک کا شہری تھا ورنہ میں انگریز کے غلام ملک کا شہری ہوتا یا ہندو کی ذلت آمیز غلامی میرا مقدر ہوتی۔ میری طرح پوری پاکستانی قوم قائداعظمؒ کے احسانات کی مقروض ہے۔ قائداعظمؒ کا ہم پر جو واجب الادا قرض ہے وہ تو ہم اتار سکتے ہی نہیں۔ ہاں مجید نظامی ایوانِ قائداعظمؒ کے لیے فنڈز جمع کرنے کی اگر کوئی تحریک شروع کرتے ہیں (اگر ایوانِ قائداعظمؒ فنڈ قائم کر دیا گیا ہے تو اُس کا مجھے علم نہیں) تو میرا ایمان ہے کہ پوری قوم اپنے بابائے قوم کے نام سے منسوب ایوانِ قائداعظمؒ کی تعمیر کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لے گی۔

اگرچہ کالم کے آغاز میں مَیں نے اپنے سمیت قوم کو احسان فراموش قرار دیا ہے، لیکن اس قوم کی یہ خوبی بھی ہے کہ جب یہ بیدار ہوتی ہے تو ناقابل یقین کارنامے بھی سرانجام دے سکتی ہے۔ اس لیے میرا ایمان ہے کہ مجید نظامی اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے جب بھی ایوانِ قائداعظمؒ کے لیے قوم کو پکارا تو قوم اُسی جذبہ کا مظاہرہ کرے گی جیسا اس قوم نے 1965ء کی جنگ میں کیا تھا۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اُٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

............*

نظریۂ پاکستان کانفرنس اور بھٹکے ہوئے آہُو

قائد اعظمؒ پیشے کے اعتبار سے ایک ممتاز قانون دان تھے۔ پاکستان کا مقدمہ قائد اعظمؒ کی زندگی کا سب سے اہم مقدمہ تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے وکیل اگر قائد اعظمؒ نہ ہوتے تو پاکستان کا مقدمہ جیتنا مشکل ہی نہیں بلکہ ایک ناممکن اَمر تھا۔ قیامِ پاکستان کی جنگ جیتنے کے لیے قائد اعظمؒ کی سب سے مضبوط دلیل نظریۂ پاکستان تھی اور یہ بات میں بلاخوفِ تردید کہتا ہوں کہ نظریۂ پاکستان ہی وہ واحد استدلال تھا جس پر قائد اعظمؒ نے پہلے اپنی قوم کو متحد کیا اور پھر قیامِ پاکستان کے مخالفین انگریز حکمرانوں اور ہندوؤں کو نظریۂ پاکستان کی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ سیکولر ذہن رکھنے والا ایک منظّم گروہ قیامِ پاکستان کے 65 سال بعد بھی مسلسل اس پروپیگنڈے میں مصروف ہے کہ قائد اعظمؒ کے نزدیک پاکستان کے قیام کا مقصد اسلام نہیں بلکہ ایک سیکولر ریاست تھا۔ اگر قائد اعظمؒ کے پیش نظر پاکستان کی بنیاد اسلام نہیں تھا تو کیا کوئی سیکولر دانشور یہ وضاحت کر سکتا ہے کہ قائد اعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دور میں درج ذیل واضح اور غیر مبہم بیان کیوں دیا تھا؟:

''پاکستان اسی دن معرضِ وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں

مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے وطن یا نسل نہیں۔ ہندوستان کا جب پہلا شخص مسلمان ہوا تھا وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا بلکہ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔''

قائداعظمؒ کے یہ الفاظ کہ:

''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے۔''

سے بہتر نظریۂ پاکستان کی اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ قائداعظمؒ کی مومنانہ فراست دیکھیے کہ انھوں نے کتنے کم الفاظ میں اُس مسلم قومیت کے تصور کو اُجاگر کر دیا ہے جس پر آگے چل کر پاکستان کی عمارت اُستوار کی گئی۔ قائداعظمؒ جب یہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے مسلمان ہونے سے ایک جداگانہ اور الگ قومیت وجود میں آ گئی تو گویا وہ دریا کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔

ایک اور موقع پر قائداعظمؒ نے کہا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

کیا کوئی بد باطن دانشور کسی بھی طریقے سے قائداعظمؒ کے اس فرمان کو سیکولرازم کا نام دے سکتا ہے؟ قیام پاکستان کے مقاصد کی وضاحت قائداعظمؒ سے بہتر اور کون کر سکتا ہے؟ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان کے مطالبہ کا جذبۂ محرکہ یہ تھا کہ وہ پاکستان کی صورت میں ایک ایسا ملک قائم کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اسلام کے اصولوں کو عملی شکل دینا چاہتے تھے۔

25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن کی ایک تقریب میں وکلا سے خطاب

کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے اپنے تصور پاکستان کی وضاحت بڑے خوبصورت اور جامع انداز میں کی تھی، انھوں نے فرمایا کہ:

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے۔ یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں ہو گی۔ آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اطلاق اُسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ کسی کو جمہورت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہے۔ اسلام نہ صرف رسم ورواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی زندگی، اس کے رویوں بلکہ مسلمانوں کی سیاست اور اقتصادیات پر بھی محیط ہے۔ اسلام میں تمام آدمیوں کے حقوق مساوی ہیں۔ آزادی، مساوات اور بھائی چارہ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔''

قائد اعظمؒ کے درج بالا گراں قدر خیالات کا یہ خاص پہلو ہے کہ بانیٔ پاکستان کی یہ تقریر کراچی بار ایسوی ایشن کے زیر اہتمام قانون دانوں کے اجتماع میں کی گئی یہ تقریب نبی کریم ﷺ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ قائد اعظمؒ نے جہاں اپنی تاریخی تقریر میں رسولِ اکرم ﷺ کو ایک عظیم راہبر، عظیم قانون عطا کرنے والا، عظیم مدبر اور عظیم حکمران قرار دیا وہاں آئین اور قانون کو سمجھنے والے وکلا کے روبرو پاکستان کے دستور کے متعلق بھی اپنے تصورات کو کھل کر بیان کر دیا۔ قائد اعظمؒ کے آئیڈیل حکمران، آئیڈیل راہبر اور قانون عطا کرنے والی آئیڈیل

شخصیت محمد عربیؐ تھے تو پھر گمراہی کا شکار سیکولر حلقہ کس بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست نہیں بلکہ سیکولر ریاست کے طور پر بنایا گیا تھا۔

یہ درست ہے کہ قائداعظمؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ پاکستان میں پاپائیت نہیں ہو گی، لیکن 15 دسمبر 1947ء کو قائداعظمؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری اجلاس میں صاف طور پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مسلم ریاست ہو گی۔ قائداعظمؒ نے صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ پاکستان سے باہر بھی پوری دنیا کے سامنے پاکستان کے دستور کے حوالے سے اپنا مؤقف دوٹوک انداز میں پیش کرنے کے لیے فروری 1948ء میں ایک امریکی نامہ نگار کو اپنا انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہوگا۔ ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوا تھا۔''

قائداعظمؒ نے بار بار قیامِ پاکستان سے پہلے بھی اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی اپنے اس ایمان افروز مؤقف کا برملا اعلان کیا کہ ہم نے جمہوریت کا سبق اور انسانی مساوات کی تعلیمات اسلام سے سیکھی ہیں اور یہ کہ اسلامی اصول اور قرآن کا ضابطۂ حیات آج بھی اسی طرح قابل عمل ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھا۔

قائداعظمؒ نے اسلام کے منفرد تصور حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے یہ ارشاد بھی فرمایا تھا کہ ہم کسی بادشاہ، پارلیمنٹ یا کسی دیگر ادارے کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ اسلام میں حکمران اور پارلیمنٹ قرآن کے احکامات کے پابند ہیں، دوسرے الفاظ میں

اسلامی حکومت میں قرآن کے اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہوتی ہے۔ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ قرآن کی قائم کردہ حدود کو توڑ نہیں سکتا۔

14 اگست 1947ء کو جب ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور محبت کے حوالے سے شہنشاہ اکبر کا حوالہ دیا تھا تو اُس کے جواب میں قائد اعظمؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ:

"غیر مسلموں کے ساتھ خیر سگالی اور رواداری کی بنیاد ہمارے رسول کریم ﷺ نے تیرہ سو سال پہلے رکھ دی تھی۔ رسول کریمؐ نے زبان سے نہیں بلکہ عملاً یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اُن کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔"

اب آخر میں میں اُس تقریر کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو قائد اعظمؒ نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں فرمائی تھی۔ قائد اعظمؒ نے کہا:

"پاکستان میں آپ کو مندروں اور اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جانے کی مکمل آزادی ہوگی۔ آپ کسی بھی مذہب، فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں۔ حکومت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کچھ عرصہ بعد آپ دیکھیں گے کہ ہندو، ہندو نہیں رہے گا اور مسلمان، مسلمان نہیں رہے گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا مذہب مٹ جائے گا کیوں کہ کسی مذہب کو ماننا ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے۔ سیاسی معنوں میں ہم سب ایک قوم بن جائیں گے۔"

قائد اعظمؒ نے اپنی اس تقریر میں تمام مذہبی اقلیتوں کو اگر آزادی سے اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی ضمانت دینے کا یقین دلایا ہے تو اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ وہ پاکستان میں سیکولر طرز حکومت کے حامی تھے۔ قائد اعظمؒ نے صرف تین دن بعد دستور

ساز اسمبلی میں ہی اپنی 14اگست کی تقریر میں یہ واضح کر دیا تھا کہ غیر مسلموں سے رواداری کی بنیاد ہمارے رسولِ کریمؐ نے 13سو سال پہلے ہی رکھ دی تھی اور مسلمانوں کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ جہاں جہاں بھی انھوں نے حکمرانی کی، ایسے انسانیت نواز اصولوں سے بھری پڑی ہے جن کی ہمیں تقلید کرنی چاہیے۔

اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو تو قائد اعظمؒ سنت رسولؐ پر عمل کرنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ مذہب کے عمومی تصور اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مذہب کا جو تصور ہے اُس کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کا اظہار انھوں نے خود اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح کیا تھا:

''جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے تئیں کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں زندگی کے روحانی پہلو، معاشرت، سیاست، معیشت، غرض انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ قرآن کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں بلکہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کے آئینی حقوق کے تحفظ کا بھی سب سے اعلیٰ تصور موجود ہے۔''

قائد اعظمؒ کے ان خیالات سے دو نکتے واضح ہو جاتے ہیں کہ ایک تو وہ اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح اللہ اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق تک محدود نہیں سمجھتے۔

بلکہ اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے ہیں جس میں سیاست، معاشرت، اقتصادیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق راہنمائی کے مکمل اصول موجود ہیں۔ قائد اعظمؒ کے ان پختہ اسلامی نظریات پر کسی بھی طریقے سے سیکولر طرز سیاست کی اصطلاح کو منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

قائد اعظمؒ کے اسلامی افکار سے خوف زدہ سیکولر طبقہ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح پر بھی اسی وجہ سے تنقید کرتا ہے کہ اُنھیں تحریک پاکستان کے دور ہی سے ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' کے نعرے سے چڑ ہے۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے اگرچہ فکری اور نظریاتی محاذ پر پاکستان کے ہر گلی کوچے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سیکولر طبقے کو مکمل طور پر پسپا کر دیا ہے مگر پھر بھی کچھ لوگ اپنے ڈھیٹ پن سے کبھی کبھار نظریۂ پاکستان کی اصطلاح کے خلاف شوشے چھوڑنے کی عادت بد میں مبتلا ہیں۔ ایسے افراد کا جواب ہمیں قائد اعظمؒ کے افکار و تعلیمات سے اپنے رشتے کو مضبوطی سے قائم کر کے دینا چاہیے۔

اس کی ایک صورت نظریۂ پاکستان کانفرنسوں کا انعقاد بھی ہے جو تقریباً اب ہر سال نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام منعقد کی جاتی ہے۔ ان کانفرنسوں میں ملک بھر سے نظریاتی دانشور تشریف لاتے ہیں اور قائد اعظمؒ کے پیغام کے مؤثر انداز میں فروغ کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

ہم جب قائد اعظمؒ کے پیغام یا تعلیمات کی بات کرتے ہیں تو یہ بات ہمیں اپنے دھیان میں رکھنی چاہیے کہ ہمیں اُس اسلامی اور فلاحی ریاست کے لیے عملی طور پر بھی اپنی کوشش تیز تر کر دینی چاہیے جس کا خواب قائد اعظمؒ نے دیکھا تھا۔

قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ میرا دین مجھے آزادی حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اس دین پر عمل کر کے ہی ہم پاکستان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ قائد کا یہ بھی فرمان ہے کہ ہمیں پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس تیرہ سو سال سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے۔ نظریۂ پاکستان کانفرنس میں بھی ہم سب کو صرف ایک دوسرے پر یہ زور دینے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے بھٹکے ہوئے قافلے کو پھر سوئے حرم لے چلیں۔

............*

کیا اپنے وطن میں رہنے کی بھی وجوہات ہوتی ہیں؟

اگر کوئی جاہل آپ سے اس سوال کا جواب مانگے کہ اُسے پاکستان میں رہنے کی وجوہات بتائی جائیں تو ایسی جہالت کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ پاکستان دنیا میں واحد ملک ہے جس میں ایسے بدترین اور بدطینت لوگ بھی بستے ہیں جو اُسی درخت کی شاخیں بلکہ جڑیں کاٹتے رہتے ہیں جس درخت کی چھاؤں میں انھیں سب کچھ میسر بھی ہے۔

اسی کی چھاؤں میں بیٹھے ہیں میرے بچے بھی
وہ اک درخت جسے روز کاٹتا ہوں میں

شرمناک بات ہے اور ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ جو پاکستان کو سب سے بڑی گالی دے سکتا ہے اور اس کی گالی کسی اخبار میں نمایاں طور پر چھپتی بھی ہے یا پاکستان کے خلاف دشنام طرازی کو اگر کوئی شخص ٹی وی سکرین کی زینت بنا سکتا ہے اُسے یہ زعم بھی ہے کہ وہی وقت کا سب سے بڑا دانشور ہے۔

اگر ایک شخص پاکستان میں نہ رہنے کی وجوہات اپنے کسی مضمون میں گِنواتا ہے اور یہ گنتی 50 وجوہات سے اوپر تک پہنچا کر ملک وقوم میں مایوسی پھیلانے کا مکروہ دھندا کرتا ہے اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ میرے پاس سوائے خالی خولی اور کھوکھلی جذباتیت کے اس کا کوئی جواب نہیں یعنی اس مردہ ضمیر ''دانشور'' کے پاس پاکستان میں رہنے کی

ایک دلیل بھی نہیں۔ حیرت اور بے شرمی کا مقام ہے کہ جس کے پاس پاکستان میں نہ رہنے کی 50 سے بھی زیادہ دلائل ہیں لیکن پاکستان میں رہنے کی ایک وجہ بھی اُسے معلوم نہیں وہ پھر بھی پاکستان میں رہنے پر ''بضد'' ہے۔

مادر وطن کے نام پر یا ''یہ وطن ہمارا ہے'' کی دلیل کو وہ جذباتی بلیک میلنگ سمجھتا ہے۔ مادر وطن کا مقام ماں سے بہت بڑا ہے کیوں کہ ہماری مادر وطن کروڑوں ماؤں کا مسکن ہے اور ہماری کروڑوں بہنوں کے سر کی چادر ہے اس لیے وطن کی مٹی کی حرمت کا جس دل میں احساس نہیں ہے غیرت اور ضمیر نام کا کوئی جوہر اُس دل میں موجود نہیں رہ سکتا۔

تہمت لگا کے ماں پہ جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیے

پاکستان چھوڑنے کی پہلی دلیل یہ دی گئی کہ ریاست ناکام ہوگئی ہے۔ میں کہتا ہوں ریاست کبھی ناکام نہیں ہوتی ناکام افراد ہوتے ہیں، حکمران ہوتے ہیں ہماری تو اپوزیشن بھی ناکام ہے۔ دو نمبر اپوزیشن ہے۔ نجات اُن حکمرانوں، اپوزیشن کے لٹیروں اور خائن سیاست دانوں سے حاصل کرنی چاہیے، یعنی پاکستان چھوڑنے کے بجائے ہمیں ملک وقوم کے دشمن سیاست دانوں پر اقتدار چھوڑنے کے لیے اپنا دباؤ بڑھانا چاہیے۔

پھر دلیل دی گئی کہ صدر سے لے کر پٹواری تک قانون شکنی کا رویہ ہے، کرپشن ہے۔ اس کا بھی حل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کیا ہمارے ملک چھوڑ دینے سے صدر سے لے کر پٹواری تک کرپشن خود بخود ختم ہو جائے گی۔ نہیں ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

پھر یہ وجہ بیان کی گئی کہ قبضہ گروپ، لینڈ مافیا، ذخیرہ اندوزی، مہنگائی، جعلی

ادویات، میرٹ کی خلاف ورزی، طبقاتی نظام معاشرت، طبقاتی نظام تعلیم۔ یہ سب خرابیاں یقیناً پاکستان میں موجود ہیں، لیکن یہ پاکستان کی خرابیاں نہیں، یہ ہماری خرابیاں ہیں۔ یہ امراض اگر پاکستان کو لاحق ہیں تو اس کا علاج بھی ممکن ہے۔ اپنے اپنے حصے کی خرابیاں اگر ہم دور کر لیں تو پاکستان جیسا کوئی ملک دنیا کے نقشے پر دوسرا کوئی نہیں ہو گا، لیکن خرابیاں صرف دعاؤں سے دور نہیں ہوتیں یہ تو اللہ کا آخری کتاب میں فیصلہ ہے جس کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے اس طرح کیا ہے ۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

پاکستان میں جتنے بھی نقائص گنوائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے اُن کی تعداد گنوائے جانے والی خرابیوں سے بھی زیادہ ہوں۔ یہاں لسانیت اور صوبائیت کے تعصّبات ہیں، یہاں بے پناہ معاشی تفاوت ہے۔ ایک طرف غربت اور غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی بسر کرنے والی مخلوق، دوسری طرف ارب پتی سیاست دان۔ ہر طرف عدم تحفظ کی کیفیت۔ نہ جان کا تحفظ، نہ مال کا تحفظ، نہ عدالتی تحفظ، عدلیہ کا احترام آئین کے خلاف حلف اٹھانے والے وزیر اعظمؒ کے دل میں بھی نہیں، اربوں روپے لوٹنے والوں کے لیے آئینی استثنیٰ۔ قومی خزانے سے لوٹی گئی رقوم کو ہضم کرنے والی کلب کے تمام معزز سیاست دان ممبر ہیں لیکن اس سے بھی اگر بڑی خرابیاں ہمارے ملک میں موجود ہوں تو کیا ہم ملک چھوڑ دینے والوں کی وکالت شروع کر دیں؟

میں کسی کو حب الوطنی کا درس نہیں دیتا نہ میں خود کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ محبّ وطن سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے مجھے بھی قومی مفادات کے مقابلے میں اپنا ذاتی مفاد زیادہ عزیز ہو۔ لیکن میں پاکستان میں نہ رہنے والی وجوہات تلاش کرنے جیسی بے حمیتی

اور بے غیرتی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں یہ بنیادی حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ پاکستان کے اندر موجود خرابیوں کے بالواسطہ یا براہِ راست ہم سب ذمہ دار ہیں۔ پاکستان کے وجود کی وجہ سے کوئی خرابی ہمارے ملک میں نہیں بلکہ ہمارے وجود اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے پاکستان میں کمزوریاں ہیں۔

پاکستان کا یہ احسان کیا کم ہے کہ ہم جیسے چوروں، لٹیروں، خود غرضوں، موقع پرستوں، ابن الوقتوں اور سیاسی مفاد پرستوں سب کو اس ملک نے پناہ دے رکھی ہے۔ پاکستان کا ظرف دیکھیے کہ یہ تو اُن کم ظرفوں کے لیے بھی سائبان ہے جو پاکستان کے نظریے، وجود اور بانیانِ پاکستان کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ پھر بھی ہم پاکستان چھوڑنے کی وجوہات بیان کرنے میں فخر محسوس کریں تو اس سے زیادہ شرم ناک اور کمینگی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

............*

میرا سب کچھ مرے وطن کا ہے

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ قارئین کسی کالم پر اُس کے لکھنے والے کو بہت زیادہ داد دیں اور کالم کی بے پناہ تحسین کریں۔ 27 مارچ کو نوائے وقت میں میرا کالم پاکستان کے خلاف چارج شیٹ عائد کرنے والے ایک کالم نویس (بلکہ گالی نویس) کے جواب میں تھا۔ کالم کو اگر پسندیدگی کی سند ملی ہے تو اس کی وجہ میرا کوئی اسلوب تحریر یا حسن قلم نہیں تھا بلکہ وطن سے محبت کرنے والوں کا جوش وولولہ تھا، جنھیں یہ عنوان بہت پسند آیا:

''کیا اپنے وطن میں رہنے کی بھی وجوہات ہوتی ہیں؟''

نوجوانوں کا یہ ردعمل تھا کہ اُن کے جوان ولولوں کا سارا جاہ وجلال پاکستان پر قربان اور بزرگوں کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے گھر بار، اہل وعیال اور زندگی کے جتنے ماہ وسال اور جتنی سانسیں باقی ہیں وہ سب کچھ پاکستان کے صرف ایک ذرّے یا ایک انچ زمین کی حفاظت کے لیے اگر بروئے کار آ جائیں تو یہ شہادت وقربانی روزِ محشر ہماری نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے۔

مجھے اپنے کالم پر سب سے زیادہ تحسین نوجوان نسل اور وطن کی حرمت پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے شہداء کے خاندانوں ی طرف سے ملی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جن شہیدوں نے اپنے لہو کی فصیلیں کھڑی کر کے پاکستان کے وجود کی حفاظت کی ان کا تو آج بھی یہ نعرہ ہے کہ ۔

''میرا سب کچھ مرے وطن کا ہے''

کیوں کہ تحریک پاکستان کے شہیدوں سے لے کر قیامِ پاکستان کے بعد آج تک مختلف جنگوں میں وطن کے دفاع کے لیے اپنی جانیں نچھاور کرنے والوں کے خاندان آج بھی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ پاکستان ہماری ماؤں، بہنوں کی عزت کا پاسبان، ہمارے نوجوانوں کی غیرت اور خودی کا ترجمان اور ہمارے اسلاف کی بے پناہ قربانیوں کا نشان ہے اس لیے ہر محاذ پر پاکستان کی آبرو کی خاطر آج بھی ہمارا سب کچھ حاضر ہے لیکن میر جعفروں اور میر صادقوں کی اولاد پاکستان چھوڑ دینے کی وجوہات کا زہر اپنی زبانوں اور اپنی تحریروں سے اگلتی رہتی ہے۔

راولپنڈی میں پریڈ لین مسجد میں دہشت گردوں نے ایک میجر جنرل، بریگیڈیئر، کئی میجرز اور کرنل شہید کر دیئے تھے۔ دہشت گردی کے اس واقعہ میں کئی فوجی افسر اور اُن کے بچے شدید زخمی بھی ہوئے۔ ایک معروف شاعرہ اور حاضر سروس بریگیڈیئر کی اہلیہ رابعہ رحمٰن نے ان شہداء کے وارثوں اور زخمی ہونے والے فوجی افسروں سے تفصیلی انٹرویو کیے اور کتابی صورت میں شائع بھی کیے تھے۔ مجھے اس کتاب میں سے زخمی ہونے والے دو بچوں کے والدین کا انٹرویو یاد آ رہا ہے کہ لوگ انھیں مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی حفاظت کے لیے ہم پاکستان سے کسی دوسرے ملک میں منتقل ہو جائیں لیکن ہمارا یہ جواب ہے کہ ہمارے بڑوں نے خون کے دریا عبور کر کے جو پاکستان بنایا تھا ہم اپنا لہو دے کر اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں نے پاکستان کے اندر بھی ہمیں غیر محفوظ بنا دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سترہ کروڑ عوام پاکستان چھوڑ دیں۔ ہمیں اپنی دھرتی کے لیے یہیں زندہ رہنا ہے اور یہیں مرنا ہے۔

کرنل فخر الحسن خود اور اُن کے دونوں بیٹے پریڈ لین مسجد میں شہید ہو گئے۔ اُن

کی قابلِ فخر اہلیہ عاصمہ فخر الحسن کی یہ بات تاریخ میں سنہری حروف میں لکھی جائے گی کہ میری ساری پونجی اور سب سے قیمتی سرمایہ ملک دشمنوں نے چھین لیا، لیکن مجھے آج بھی اپنی ذات اور شہید کرنل فخر الحسن کی بیٹیوں کے لیے کچھ نہیں چاہیے۔ میری حکومت سے صرف یہ اپیل ہے کہ میرے شہید خاوند کی صرف یہ خواہش پوری کر دی جائے کہ ہمیں اغیار کی پالیسیوں کو ترک کر کے پاکستان کے مفاد میں ایک آزاد پالیسی تشکیل دینی چاہیے جس سے ہمارے ملک کا وقار بلند ہو اور پاکستان کی آزادی وخود مختاری کا تحفظ ہو۔

محترم قارئین! غور فرمائیں کہ جن خاندانوں کے گھبرو جوان پاکستان کی حرمت پر قربان ہو گئے ان کے ہونٹوں پر نہ تو کوئی حرفِ شکایت ہے اور نہ ہی اپنے لیے کوئی جائز مطالبہ بھی۔ آج بھی اُنھیں فکر ہے تو پاکستان کی آزادی، خود مختاری اور قومی وقار کی۔ مگر جن لوگوں کی پاکستان کے لیے کبھی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ کوئی معمولی تکلیف کوئی ادنیٰ سی قربانی جن افراد نے اس وطن کے لیے برداشت نہیں کی اور وہ بغیر کسی استحقاق کے ہر طرح کے مفادات بھی اس ملک سے سمیٹ رہے ہیں اور جو لوگ جونکوں کی طرح پاکستان کا خون چوس رہے ہیں وہ پاکستان کو چھوڑ دینے کی مایوس کن باتیں پھیلا کر اسے اپنا صحافتی جوہر سمجھتے ہیں۔

مجھے ہزاروں نوجوانوں نے کہا ہے کہ ہمارا یہ پیغام اُن صحافتی بھانڈوں اور قلمی مسخروں تک پہنچا دیں جو اپنے ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر پاکستان کا مذاق اڑاتے ہیں اور پاکستان کو چھوڑ کر چلے جانے کا درس دے رہے ہیں وہ صحافتی خواجہ سرا خود ملک کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ یہ غیرت، ضمیر اور بنیادی اخلاق کا بھی تقاضا ہے کہ جس بات کی آپ تبلیغ کر رہے ہیں اُس پر سب سے پہلے آپ خود عمل کریں۔ اگر آپ پاکستان

چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جانے پر زور دے رہے ہیں تو پھر آپ پاکستان کی جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص اپنے کالم یا ٹی وی پروگرام میں پاکستان کے خلاف نفرت پھیلاتا ہے اور پاکستان چھوڑ دینے کے لیے ان گنت وجوہات بیان کرتا ہے اور خود پھر بھی پاکستان نہیں چھوڑتا تو یقیناً وہ بہروپیا ہے۔

ایک مکار، فریبی اور مختلف چہرے رکھنے والے ایسے کسی شخص پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے کہ جو خود تو عیش وعشرت کے سارے سامان پاکستان سے سمیٹ رہا ہو۔ صرف قلم گھسیٹنے سے جس کو کار، کوٹھی بلکہ محل اور تعیّشات کے لیے سارے وسائل حتیٰ کہ بعض شرم ناک اور ناگفتنی مشاغل پر خرچ کرنے کے لیے بھی اندھی دولت مل جائے وہ بھی اگر پاکستان کو گالیاں دیتا ہے تو پھر یقیناً وہ ملک دشمنی کا کوئی بیرونی ایجنڈا ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں بیٹھ کر ہی نئی نسل کو پاکستان کے مستقبل سے برگشتہ کیا جائے۔

صد شکر کہ ہماری نوجوان نسل، بہروپیوں کو پہچاننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور اُنھیں پاکستان کے روشن اور محفوظ مستقبل پر بھی کامل یقین ہے۔ کوئی صحافتی بھانڈ جتنا چاہے زور لگا لے ہمارے نوجوانوں کے اپنے ملک پر یقین کو متزلزل نہیں کیا جا سکتا۔

............*

نظریۂ پاکستان کے پہلے پرچم بردار، قائداعظمؒ

جن کا دھندا ضمیر فروشی سے شروع ہوتا ہے اور قلم فروشی پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں نظریۂ پاکستان بھی کوئی بیچنے کی چیز ہے اور نظریۂ پاکستان کا کوئی ہول سیلر بھی ہوتا ہے۔ نظریۂ پاکستان ایمان کا مسئلہ ہے، عقیدے کا مسئلہ ہے اور ایمان بکنے والی چیز نہیں ہوتی۔ جو لوگ نظریۂ پاکستان کے علمبردار ہیں، نظریۂ پاکستان کے داعی ہیں، نظریۂ پاکستان کے حدی خواں ہیں، نظریۂ پاکستان کے پرچارک ہیں، جو نظریۂ پاکستان کی فوج کے سپاہی ہیں اور جو نظریۂ پاکستان کا کمانڈر انچیف ہے وہ کسی قلم فروش کے طعنوں سے نظریۂ پاکستان کی تحریک سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

نظریۂ پاکستان سے اگر قائداعظمؒ منحرف ہو جاتے تو وہ پاکستان بنانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ جس طرح قائداعظمؒ کی یہ شان تھی کہ انھیں کوئی خرید نہیں سکتا تھا، کوئی جھکا نہیں سکتا تھا، کوئی ڈرا نہیں سکتا تھا۔ قائداعظمؒ کے سچے پیروکار بھی وہی کہلا سکتے ہیں جو قائداعظمؒ کی تعلیمات اور نظریات کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ نظریۂ پاکستان قائداعظمؒ کی میراث ہے بالکل اسی طرح جیسے پاکستان قوم کے لیے قائداعظمؒ کا چھوڑا ہوا ورثہ ہے۔

جو پاکستان کا دشمن ہے اسے ہی نظریۂ پاکستان سے پُرخاش ہے اور جو نظریۂ پاکستان پر حملہ آور ہوتا ہے وہ اصل میں پاکستان کے وجود کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ نظریۂ

پاکستان کے ''ہول سیلر'' کی پھبتی کسنے والے کی پاکستان کے خلاف بے ہودگی کی انتہا دیکھئے کہ اُس نے لکھا ہے کہ:

''جذباتیت اور جہالت کے جو شہکار سر عام یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے تو یہ لوگ کتنی ڈھٹائی سے بنگلہ دیش کو بھول جاتے ہیں۔''

''پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے'' کے الفاظ کو جذباتیت، جہالت اور ڈھٹائی کہنا۔ ایسی بے ہودگی اور بے شرمی کا مظاہرہ کوئی ننگِ انسانیت، ننگِ وطن اور ننگِ دین ہی کر سکتا ہے۔ اگر پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے کے الفاظ استعمال کرنا جہالت ہے تو پھر چند بے ضمیروں کو نکال کر پوری قوم ہی جاہل ہے کیوں کہ ہر پاکستانی کا یہ ایمان ہے کہ پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ و پائندہ رہے گا۔

کیا کسی منحوس شخص یا چند سیاہ ضمیر افراد کے کہنے سے پاکستان ختم ہو جائے گا؟ کیا بنگلہ دیش بننے سے بھی پاکستان ختم ہوا؟ کیا پاکستان کو توڑنے والا انڈیا بنگلہ دیش کو اکھنڈ بھارت کا حصہ بنا سکا؟ بنگلہ دیش 1947ء سے پہلے انڈیا کا حصہ تھا، لیکن انڈیا پاکستان کو توڑ کر بھی بنگلہ دیش کو اپنا حصہ کیوں نہیں بنا پایا؟ کیا بنگلہ دیش اور انڈیا کے درمیان دو قومی نظریۂ ہی وجہ ٔ امتیاز نہیں؟ اگر دو قومی نظریۂ باطل تھا تو بنگلہ دیش 1947ء سے پہلے کی طرح انڈیا میں شامل کیوں نہیں ہوا؟ یہ ہماری نالائقی تھی، ہمارے سیاست دانوں کی خود غرضی تھی۔ بھٹو اور شیخ مجیب کے درمیان اقتدار کی جنگ تھی جو پاکستان کے دولخت ہونے کا باعث بنی، لیکن اس سے دو قومی نظریہ یا نظریۂ پاکستان باطل نہیں ہوا۔

اگر ہم اسلام پر عمل نہیں کرتے، اسلام کی برکات سے فیض یاب نہیں ہوتے، ہم

نے قائداعظمؒ کے فرمان کے مطابق پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ نہیں بنایا۔ اگر ہم قرآن سے راہنمائی نہیں لیتے، اگر ہم سیرتِ رسولؐ پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام باطل ہے۔ اسلام تو ایک حقیقت اور سچائی ہے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو اپنی عملی زندگیوں کا حصہ بنائیں۔

نظریۂ پاکستان بھی اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔ نظریۂ پاکستان کے موزی دشمن کو یہ بھی تکلیف ہے کہ بھارت سے علیحدگی کے وقت ہم نے پاکستان کو مثالی اسلامی ریاست بنانے کی ''بھڑک'' ماری تھی۔ سوائے جہلا کے ہر شخص جانتا ہے کہ قائداعظمؒ نے جب پاکستان کو اسلامی اصولوں کی تجربہ گاہ بنانے یا پاکستان کو ایک مثالی اسلامی اور فلاحی ریاست بنانے کی بات کی تھی تو یہ ''پنجابی بھڑک'' نہیں تھی، بلکہ ایک عظیم لیڈر کا اپنی قوم کے ساتھ ایک مقدس عہد تھا۔ قائداعظمؒ کے خلاف تو ان کا بدترین دشمن بھی یہ الزام عائد نہیں کرسکتا کہ انھوں نے پوری زندگی میں کبھی سیاسی مقاصد کے لیے جھوٹ بولا ہو۔ قائداعظمؒ کی زبان اُن کے دل کی رفیق تھی۔ قائداعظمؒ وہی کہتے جو اُن کے دل میں ہوتا تھا۔ قائداعظمؒ نے کبھی وہ کلمہ اپنی زبان سے ادا نہ کیا جس پر اُن کے دل کو یقین نہیں ہوتا تھا۔

قائداعظمؒ نے اگر پاکستان بناتے وقت اسلام کی بات کی تو پورے ایمان ویقین سے کی۔ قائداعظمؒ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے حوالے سے اپنے ذہن میں یہ واضح تصور رکھتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود تصور نہیں کہ یہ انسان اور خدا کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔

چنانچہ قائداعظمؒ نے فرمایا:

''میں نہ کوئی مولوی ہوں، نہ مُلا، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔

البتہ میں نے قرآنِ مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایت موجود ہے۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآنِ کریم کی اصولی ہدایات اور طریقِ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔"

قائد اعظمؒ کی متعدد تقاریر کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جس میں انھوں نے بار بار اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات قرار دیا۔ قائد اعظمؒ اسلامی تہذیب اور اسلامی ثقافت کے بہت بڑے داعی تھے۔ اسلام کی تعلیمات رواداری، مساوات اور انصاف پسندی کا بھی قائد اعظمؒ نے اپنی تقریروں میں بار بار حوالہ دیا۔ اسلام کا جو الگ تشخص ہے، اپنی تابندہ تہذیبی روایات ہیں، زبان وادب، فنِ تعمیر، مصوری، قانون واخلاق، رسم ورواج، تاریخ وروایات، اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے ان سب کا حوالہ دے کر قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف کے مطابق ہم ایک الگ قوم ہیں۔

قائد اعظمؒ نے جالندھر میں 15 نومبر 1942ء کو اپنی ایک تقریر میں واشگاف الفاظ میں یہ فرمایا کہ ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لیے پوری قوم ایک نکتے پر متحد ہو جائے اور وہ نکتہ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدیؐ ہے۔

قائد اعظمؒ نے 1946ء کے انتخابات میں منتخب ہونے والے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے تمام مسلمان ارکان کو دہلی کنونشن میں جمع کیا اور قائد اعظمؒ سمیت تمام

ارکان اسمبلی نے جس حلف نامے پر دستخط کیے اُس تاریخی حلف نامے کا آغاز قرآنِ حکیم کی اس آیت سے ہوتا ہے کہ:

''کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔''

اور حلف نامے کے اختتام پر یہ دعا درج ہے:

''اے پروردگار! ہمیں صبر واستقامت دے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور قومِ کفار پر ہمیں فتح ونصرت دے۔''

یہ حلف نامہ دراصل حصولِ پاکستان کا عہد نامہ تھا جس میں تمام ارکانِ اسمبلی نے اس پختہ عقیدہ کا اعلان کیا کہ مسلمانوں کی نجات، سلامتی اور تحفظ کا واحد حل پاکستان ہے اور ہم حصولِ پاکستان کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ قائد اعظمؒ نے کبھی تنگ نظری یا تعصب کی بنیاد پر مذہب کا نام نہیں لیا بلکہ اُن کا مثبت طور پر مؤقف یہ تھا کہ:

''مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے، مذہب کے مقابلے میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، لیکن بعض دوسرے امور بھی ناگزیر ہیں جو ہماری ملی زندگی کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ سیاسی قوت واقتدار کے بغیر آپ اپنے مذہب کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہو سکتا۔''

قائد اعظمؒ اسلام کی آزادی اور تحفظ کے لیے پاکستان کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا تھا کہ ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قائد اعظمؒ کے نزدیک پاکستان، اسلام کی آزادی اور حفاظت کا بنیادی تقاضا تھا۔ قیامِ پاکستان کا یہ سادہ سا نصب العین ہی نظریۂ پاکستان ہے۔ قائد اعظمؒ نے انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ:

''تم تنہا یا دونوں متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہیں سکو گے وہ اسلامی تہذیب جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا ایمان زندہ ہے، زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔ تم ہمیں مغلوب کرنے کی کوشش کرو، ہم پر ظلم وتعدی کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک کرو لیکن ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمیں مرنا ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے لیکن اپنی روح، اپنی اسلامی تہذیب اور اپنے ایمان کو ہم فنا نہیں ہونے دیں گے۔''

قائد اعظمؒ نے اپنی 22مارچ 1939ء کی اس تقریر میں جس روح، اسلامی تہذیب اور ایمان کی بات کی ہے یہی وہ نظریۂ پاکستان ہے جس کی بنیاد پر بالآخر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ قائد اعظمؒ نظریۂ پاکستان کے پہلے پرچم بردار تھے۔ نظریۂ پاکستان، قائد اعظمؒ کے ہاتھ میں وہ مشعل تھی جس کے دم قدم اور طاقت سے انڈیا کے مسلمانوں کے مقدر سے غلامی کا اندھیرا دور بھاگ گیا اور قیامِ پاکستان کی صورت میں آزادی کی صبح طلوع ہوئی۔

طنزیہ طور پر نظریۂ پاکستان کے ''ہول سیلر'' جیسے الفاظ استعمال کرنے اور نظریۂ پاکستان کے خلاف اپنی ذہنی غلاظتوں کو ظاہر کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہیے کہ نظریۂ پاکستان کے سب سے سچے اور سب سے بڑے علمبردار خود قائد اعظمؒ تھے۔ قائد اعظمؒ نے پاکستان کو مشیتِ ایزدی اور حضرت محمد ﷺ کا روحانی فیض قرار دیا

تھا۔ اللہ کی مشیت اور محمد عربیؐ کا روحانی فیض ہی نظریۂ پاکستان ہے۔

نظریۂ پاکستان اور پاکستان دونوں کی اساس اسلام ہے اور پاکستان ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارا اظہار تشکر ہے۔ ہمارے اس تشکر کے اظہار کو اگر کوئی جذباتیت کا نام دیتا ہے تو اُس کے ابنِ جہالت بلکہ جاہل ابنِ جاہل ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا اس سے بڑا اور کوئی انعام نہیں ہو سکتا کہ اُس کا اپنا ایک آزاد ملک ہو، اپنا جھنڈا ہو، اپنی کرنسی ہو اور اپنا دستورِ حیات ہو۔

قائد اعظمؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ:

> ''یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خدا نے رسول اکرمؐ سے فرمایا تھا کہ اگر تیری امت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو ہم اُسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم (پاکستان) کی حفاظت ہر پاکستانی مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور جوان کا فرض ہے۔ جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آج پاکستان آزاد ہے تو میرا سر خوشی اور فخر سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجا لانے کے لیے جھک جاتا ہے۔''

یہ الفاظ بھی قائد اعظمؒ کے ہیں کہ پاکستان ایک پائندہ حقیقت ہے یعنی قائم رہنے والی مضبوط اور مستحکم ریاست۔ پاکستان کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا خون ہے اور پاکستان کی حفاظت کے لیے بھی ہماری قوم نے اپنی جانیں اور مال قربان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

دفاعِ پاکستان اور قومی سلامتی کے حوالے سے قائد اعظمؒ کی یہ تاریخی تقریر ملاحظہ

کریں کہ:

"خدا کی قسم! جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا۔ اُس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔"

قائداعظمؒ کا یہ فولادی عزم آج بھی ہمارے لیے راہنما ہے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ چاہے یہ پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

............*

ہمارے قومی وجود کی بنیاد

مجھے خود اس سے اتفاق ہے کہ جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔ جاہلوں کی باتوں کا جواب خاموشی ہے۔ فارسی کی بھی مشہور مثل ہے کہ جواب جاہلاں باشد خاموشی۔ لیکن اگر کوئی پاکستان میں بیٹھ کر، پاکستان کا کھا کر بلکہ پاکستان کو لوٹ کر اور اس ملک سے عیش وعشرت کے سارے وسائل حاصل کرنے کے بعد بھی قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ، پاکستان یا نظریۂ پاکستان کو گالی دیتا ہے تو اس گالی کا جواب دینا ضروری ہے، لیکن گالی کے جواب میں بھی گالی دینا ہمارا شیوہ نہیں تاہم مناسب اور معقول انداز میں حقیقتِ حال کی وضاحت ہمارا فرض بنتا ہے۔

ایک صاحب کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل کیانی کے اس بیان سے شدید تکلیف پہنچی اور حیرت ہوئی ہے۔ جس میں پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے محافظ نے کہا ہے کہ:

''ہمارے وجود کی بنیاد نظریۂ پاکستان پر ہے۔''

صدمہ تو پہنچا ہے جنرل اشفاق کیانی کے بیان سے لیکن صدمے سے متاثر ہونے والے شخص نے اپنا غصہ ایک قومی اخبار اور اسلام کی علمبردار سیاسی جماعتوں کے خلاف نکال دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان ایک چھوٹی سی اخباری دوکان اور اسلام کے نام پر سیاست کرنے والے چھوٹے چھوٹے خوانچہ فروشوں کا سودا ہے۔ اس سے

بڑی گندی اور غلیظ گالی کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اور اس سے بڑھ کر خبثِ باطن کا کوئی شخص اظہار نہیں کر سکتا کہ وہ نظریۂ پاکستان کو سودا یا خرید و فروخت کی کوئی چیز قرار دے ڈالے، لیکن میں پھر بھی انتہائی غیر جذباتی انداز میں یہ عرض کروں گا کہ نظریۂ پاکستان کسی اخباری دوکان یا اسلام کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتوں کی ''تجارت'' کا نام نہیں۔ نظریۂ پاکستان کا تعلق براہِ راست قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے تصورات سے ہے۔

نظریۂ پاکستان کے الفاظ سن کر ذہنی صدمے بلکہ دماغی عارضے میں مبتلا ہو جانے والے شخص نے لکھا ہے کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے مسلم اکثریتی علاقوں میں پاکستان قائم کرنے کا تصور دیا تھا اور اسی تصور کے تحت پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ جتنے بھی سیکولر دانشور اور اسلام بیزار قوتیں ہیں اُن کا مؤقف یہی ہے کہ پاکستان مسلمانوں کے لیے بنا تھا، اسلام کے لیے نہیں بنا تھا۔ کوئی عقل کے ان دشمنوں سے پوچھے کہ کیا مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کر کے اگر پاکستان میں بھی ہندوستان کی طرح سیکولر نظام نافذ کرنا تھا تو پھر لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر اور انڈیا سے دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کر کے ایک نئے ملک پاکستان کی بنیاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟!

قائد اعظمؒ نے قیامِ پاکستان کے بدترین دشمنوں ڈاکٹر خان صاحب اور سرحدی گاندھی عبدالغفار خاں کے اس شرم ناک پروپیگنڈے کہ پاکستان کا مرتبہ کردہ آئین شرعی نہیں ہوگا کی پرزور تردید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی جو مسلمانوں کی بھاری اکثریت پر مشتمل ہو گی وہ جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصورات کو کیسے

نظر انداز کر سکتی ہے؟ خان برادران اگر اسلام اور قرآن سے مخلص ہوتے تو وہ کبھی نیشنلزم، ہندوستانی قوم اور کانگرس کے طرف دار نہ ہوتے۔"

قائداعظمؒ کے اس ارشاد سے ثابت ہو جاتا ہے کہ متحدہ ہندوستان، وطن کی بنیاد پر قوم کے تصور کے حامی اور کانگرس کے طرف دار تو اسلام اور قرآن سے مخلص نہیں ہو سکتے، لیکن مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل پاکستان میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت رکھنے والی دستور ساز اسمبلی جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصورات کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی۔

قائداعظمؒ نے دوٹوک انداز میں یہ بھی فرمایا کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی آزاد مملکت قائم ہونی چاہیے تاکہ وہ اسلامی شریعت اور تمدن کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں، پھر قائداعظمؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"مسلمانوں کو پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس 13سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے۔ میرا اسی قانونِ الٰہیہ پر ایمان ہے اور میں جس آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآنِ پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے آزادی، مساوات اور اخوت کی۔ قرآنی تعلیمات ہی میں ہماری نجات ہے اور اسی کے ذریعے ہم ترقی کے مدارج طے کر سکتے ہیں۔"

قائداعظمؒ کا یہ ارشاد 12 جون 1938ء کا ہے۔ یعنی قیامِ پاکستان سے سات سال پہلے کا۔ یہ بیان کسی ایسے سیاست دان کا نہیں جو اسلام کا نام سیاست کے لیے استعمال کرتا ہو۔ یہ بیان کسی روایتی اسلامی جماعت کے راہنما کا بھی نہیں۔ یہ ارشاد پاکستان کے بانی کا ہے۔ اور پاکستان کے بانی محمد علی جناح کو برصغیر کے مسلمانوں نے

1946ء کے انتخابات میں اپنی عظیم اکثریت سے جس اعتماد سے نوازا تھا اُس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی دوٹوک اور واضح اکثریت کی تائید وحمایت سے پاکستان بنا تھا اور پاکستان کے بانی کے یہی تصورات ہیں جنھیں مختصر الفاظ میں نظریۂ پاکستان کہا جاتا ہے۔

اگر کسی کے دماغ میں لادینیت کا کیڑا ہے تو شاید اُس کا علاج معمولی سرجری سے ممکن نہیں، لیکن اگر نظریۂ پاکستان کو قائداعظمؒ کی زبان سے کوئی سننا اور سمجھنا چاہتا ہے تو میں یہاں جنوری 1938ء کا قائداعظمؒ کا ایک فرمان پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے بہار میں لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہراتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''مسلم لیگ کا جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے۔ آپ مسلم لیگ کو اسلام سے الگ نہیں کر سکتے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا جھنڈا ہے تو کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مذہب کو سیاست میں گھسیٹ رہے ہیں، حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ اس میں قوانین، فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔''

بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظمؒ تحریک پاکستان کے دور میں مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں تو اسے اسلام کا جھنڈا قرار دیتے ہیں۔ وہ اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات قرار دیتے ہیں جس میں قوانین بھی ہیں سیاست بھی۔

جس شخص نے نظریۂ پاکستان کو ایک اخباری دکان کا سودا قرار دینے کا بے ہودہ الزام عائد کیا ہے کیا وہ مسلم لیگ کے جھنڈے کو اسلام کا پرچم قرار دینے پر قائداعظمؒ

کے خلاف بھی یہی الزام عائد کریں گے؟ ! کیا قائداعظمؒ نے بھی اسلام کا نام اپنی سیاست چمکانے کے لیے لیا تھا؟!

قائداعظمؒ کو تو مسلمانوں نے قائداعظمؒ تسلیم ہی اس لیے کیا تھا کہ اُن کی زبان اور دل ایک تھے، اُن کی گفتار و کردار میں کوئی فرق نہیں تھا۔ قائداعظمؒ نے اسلام کا نام لیا تھا تو اُس کا مطلب اسلام ہی تھا۔ یہی وہ تصور تھا جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا۔ قائداعظمؒ نے 4اپریل 1943ء کو سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''آپ حضرات نے مجھ سے پیغام کی درخواست کی ہے۔ میں آپ کو کیا پیغام دوں؟ ہمارے پاس قرآنِ مجید کی شکل میں عظیم ترین پیغام پہلے ہی موجود ہے۔ جو ہمارے لیے ہدایت اور مشعلِ راہ ہے۔''

پھر قائداعظمؒ نے ایک اسلامی حکومت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ اس لیے تعمیل کا مرکز قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان، نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدودو متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے لفظوں میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔''

نظریۂ پاکستان کے الفاظ سے چڑنے والے شخص نے لکھا ہے کہ اسلام، رب اور نظریۂ پاکستان کی دکانداری ایک مخصوص طبقہ کرتا ہے۔ یہ الزام کتنا بودا، پھُس پھُسا اور بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے جب قائداعظمؒ فرماتے ہیں ہماری سیاست اور معاشرت

قرآنی تعلیمات کی پابند ہے۔ ہماری پارلیمنٹ اور حکومت بھی اسلام کے تابع ہے۔

1973ء کا دستور جو متفقہ طور پر پارلیمنٹ نے منظور کیا اور جس میں پیپلز پارٹی کی اکثریت تھی۔ پیپلز پارٹی اور ولی خاں کی جماعت نیپ کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ وہ اسلام کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتیں ہرگز نہیں۔ ان جماعتوں نے جو آئین منظور کیا اُس کے مطابق پاکستان میں کوئی قانون قرآن وسنت سے متصادم نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر اسی پارلیمنٹ نے عقیدۂ ختم نبوت کے باغیوں کو ایک جھوٹے نبی غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہونے کی وجہ سے غیر مسلم قرار دے کر قائد اعظمؒ کے اس فرمان کی تصدیق کی کہ ہماری پارلیمنٹ قرآنی احکام کی پابند ہے۔ اسلام پارلیمنٹ کے ماتحت نہیں بلکہ ہماری پارلیمنٹ اسلام کے ماتحت ہے۔ اور یہی نظریۂ پاکستان ہے۔ جو شخص یا گروہ پاکستان، اسلام اور قائد اعظمؒ کو براہِ راست گالی دینے کی جرأت نہیں کر سکتا کیوں کہ اس صورت میں بدباطنوں کو اپنے برے انجام اور نتیجے کا علم ہے وہ نظریۂ پاکستان کو گالی دینے میں آسانی محسوس کرتے ہیں۔ نظریۂ پاکستان کو اپنی مرضی کے معنی پہنا کر اسے کھوٹا سکہ لکھنے والوں کو اتنا معلوم ہے کہ وہ پاکستان، اسلام یا قائد اعظمؒ کو کھوٹا سکہ کہہ یا لکھ کر اس ملک میں قوم کے اجتماعی غم وغصہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق کیانی کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ:

''ہمارے وجود کی بنیاد نظریۂ پاکستان ہے۔''

دوسرے لفظوں میں اسلام ہی ہمارے قومی وجود کی بنیاد ہے اور اسلام ہی پاکستان کی بقا اور آزادی کا ضامن ہے۔ اگر جنرل اشفاق کیانی کے بیان سے کسی کو حیرت ہوئی ہے یا بے پناہ تکلیف پہنچی ہے تو پھر وہ کھل کر یہ اقرار کرے کہ پاکستان کے وجود، پاکستان کی سلامتی اور پاکستان کی آزادی سے بھی اُن کے پیٹوں میں مروڑ

اٹھتے ہیں۔ کیوں کہ پاکستان کی بقا اور نظریۂ پاکستان لازم وملزوم ہیں۔

آخر میں یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ جس صاحب نے نظریۂ پاکستان کو ایک چھوٹی سی اخباری دکان کی خرید وفروخت کی ایک چیز قرار دیا ہے۔ وہ صاحب اُسی چھوٹی سی ''اخباری دوکان'' میں طویل مدت تک ملازمت کرتے رہے ہیں۔ اس اخبار کی انتظامیہ کی اعلیٰ ظرفی دیکھیے کہ انھوں نے ایک بے روزگار کو روزگار فراہم کرتے ہوئے نہ اُس کی موقع پرستی کو دیکھا نہ اُس کی ابن الوقتی کو نظر میں رکھا۔

حیرت کی بات ہے کہ صحافت کو پیٹ کا دھندا سمجھنے والے نے بھی ایک طویل عرصہ تک اُسی اخبار کی پالیسی کے مطابق لکھا جو اخبار نظریۂ پاکستان کو اپنا عقیدہ سمجھتا تھا اور سمجھتا ہے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جو شخص یہ لکھتا ہے کہ 1970ء کے انتخابات میں عوام کی بھاری اکثریت نے نظریۂ پاکستان کو مسترد کر دیا تھا اور مشرقی پاکستانیوں نے بھی نظریۂ پاکستان کے خلاف بغاوت کر دی تھی بلکہ پاکستان ٹوٹا ہی نظریۂ پاکستان کو ٹینکوں کے ذریعے مسلط کرنے کی وجہ سے تھا۔ نظریۂ پاکستان کے خلاف اتنے زہریلے خیالات رکھنے والا نوکری کے لیے درخواست کرتا ہے تو اُس اخبار کو جس کا نصب العین دن رات نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لیے کام کرنا ہے۔ اس صورتِ حال کو نرم سے نرم الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظریۂ پاکستان کو سودا قرار دینے والا شخص دراصل خود اپنے قلم سمیت قابل فروخت ہے اُسے نظریۂ پاکستان والے خرید لیں یا نظریۂ پاکستان کا کوئی مخالف خرید لے۔ بکنے کے لیے تیار شخص کو پاکستان کے اندر سے کوئی خرید لے یا زیادہ قیمت دے کر اس کی خدمت میں کوئی دشمن پاکستان حاصل کر لے اُسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

مجید نظامی اور تحریکِ نظریۂ پاکستان

تحریک پاکستان کے موضوع پر یا قائد اعظمؒ کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے میں جب بھی کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو تحریک پاکستان میں قائد اعظمؒ کی قیادت میں حصہ لینے والے کارکنوں کی قربانیوں پر میرے دل میں رشک بھی پیدا ہوتا ہے اور کبھی کبھی میں احساس محرومی کا شکار ہو جاتا ہوں کہ وہ دور دیکھنا میری عمر کے لوگوں کے مقدر میں کیوں نہیں تھا۔

جب تحریک پاکستان کی تاریخ قائد اعظمؒ کے ہاتھوں تشکیل پا رہی تھی تو علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے یادگار الفاظ میں قائد اعظمؒ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

''قائداعظم میں تاریخ پڑھاتا ہوں اور آپ تاریخ بنا رہے ہیں۔''

جس تحریک کا حصہ نہ بننے کی خلش میرے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے اس خلش کو مٹانے کا ایک قیمتی نسخہ اب میرے ہاتھ آ گیا ہے۔ تحریک پاکستان کا عملاً ایک کردار نہ ہونے کے احساس جب میرے دل میں زیادہ شدت اختیار کر لیتا ہے تو میں شاہراہِ قائد اعظم پر آباد نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے مرکزی دفتر کا رخ کرتا ہوں۔ میں جتنی مرتبہ بھی وہاں گیا ہوں تحریک پاکستان کے دور کی یادگار تصاویر دیکھنا کبھی نہیں بھولتا۔ مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر روحانی خوشی ہوتی ہے جنھوں نے قائد اعظمؒ کی قیادت میں

پاکستان کی تشکیل میں بے مثال کردار ادا کیا۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے دفتر کی دیواروں پر پاکستان کے معماروں کی آویزاں تصاویر دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں بھی تحریک پاکستان کے دور میں سانس لے رہا ہوں۔

پھر میں اپنے کانوں سے وہ فلک شگاف نعرے بھی سنتا ہوں:

''لے کے رہیں گے پاکستان'' ''بن کے رہے گا پاکستان''

اور ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ''

پھر مجھے اپنے قائد کی گرجدار آواز بھی سنائی دیتی ہے ان کی انگریزی زبان میں تقریر بہت سارے لوگوں کی طرح میں بھی سمجھ نہیں پاتا، لیکن اُس لمحے میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ میرا قائد جب بھی کوئی خاص نکتہ اپنی تقریر میں بیان کرتا تو جلسہ گاہ میں قائد اعظم زندہ باد کے نعروں کا شور نہیں تھمتا۔ جو لوگ دل کے کانوں سے قائد اعظمؒ کی تقریر سن رہے ہوتے ہیں وہ انگریزی زبان نہ سمجھنے کے باوجود جھومتے ہوئے محسوسات کی اُس فضا میں پہنچ جاتے ہیں کہ قائد اعظمؒ وہی کچھ ارشاد فرما رہے ہیں جو قوم کے دکھے ہوئے دلوں کی آواز ہے۔

قائد اعظمؒ کی تقریر کا جادو اس لیے بھی جلسے میں شامل ہر شخص کے سر چڑھ کر بولتا تھا کہ قوم کا ہر فرد یہ جانتا تھا کہ قائد اعظمؒ جو کچھ ارشاد کر رہے ہیں وہی کچھ قائد کے دل میں بھی ہے۔ جب دل اور زبان میں فرق نہیں ہوتا تو پھر لیڈر کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دلوں میں طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ قائد اعظمؒ کی زبان کا یہی جادو جس کے پیچھے قائد اعظمؒ کے اپنے عمل کی قوت بھی موجود تھی، تحریک پاکستان کا سب سے بڑا اثاثہ تھا۔

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے دفتر جا کر میرے لیے باعث طمانیت دوسری بات یہ

ہے کہ وہاں نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لیے ویسے ہی کام کیا جا رہا ہے جیسے تحریک پاکستان کے دوران پاکستان کی منزل کے حصول کے لیے تحریک پاکستان کے پر جوش کارکن کرتے تھے۔ میرے خیال میں تحریک پاکستان کے مقاصد قیام پاکستان تک محدود بھی نہیں تھے۔ تحریک پاکستان کو اگر قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی ختم نہ کر دیا جاتا تو میرا ایمان ہے کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ میں نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے چیئر مین مجید نظامی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے نظریۂ پاکستان کے فروغ کے لیے ٹرسٹ قائم کر کے تحریک پاکستان کو جاری وساری رکھنے کے لیے قوم کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے۔

مجید نظامی یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان میں نظریۂ پاکستان ٹرسٹ واحد ادارہ ہے جہاں دوقومی نظریہ یا آپ اسے نظریۂ پاکستان کا نام دے لیں، کی بات ہوتی ہے۔ جہاں نوجوانوں کو بتایا جاتا ہے کہ قائد اعظمؒ نے علامہ اقبالؒ اور دیگر اکابرین نے قیامِ پاکستان کے لیے کتنا عظیم کردار ادا کیا اور پاکستان کے مقاصد کیا تھے۔

مجید نظامی کی اس ایمان افروز بات سے بھی کوئی انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ پاکستان تا قیامت زندہ رہے گا اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ بھی قیامت تک قائم رہے گا کیوں کہ یہ ادارہ پاکستان کے اساسی نظریے کے تحفظ کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ مجید نظامی کے احساسات کو اگر میں اپنے الفاظ میں بیان کروں تو میں موجودہ دور میں نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کی جدوجہد کو تحریک پاکستان کے تسلسل کا نام دوں گا۔ میری طرح جن لوگوں کے دلوں میں یہ حسرت ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے کارکن نہیں رہے کیوں کہ وہ پیدا ہی قیامِ پاکستان کے بعد ہوئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر وہ نظریۂ

پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام ہونے والی عام تقریبات اور بالخصوص سالانہ نظریۂ پاکستان کانفرنس میں شرکت کریں تو انھیں ایسا ہی محسوس ہوگا کہ جیسے وہ تحریک پاکستان کے دور کے کسی جلسہ میں شریک ہیں۔

کارکنانِ تحریک پاکستان کے لیے میرے دل میں احترام کے جو جذبات ہیں اس کا اظہار میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نظریۂ پاکستان کی تحریک کے قافلہ سالار مجید نظامی اور ان کے تمام ساتھیوں کو بھی سلام پیش کرتا ہوں جو تحریک پاکستان کے پاکیزہ جذبوں کو زندہ و بیدار رکھنے اور نوجوان نسل کو منتقل کرنے کے لیے ہر سال لاہور میں نظریۂ پاکستان کانفرنس کا انعقاد کرتے ہیں۔

میرا یقین ہے کہ جس طرح تحریک پاکستان کے کارکنوں کے کارنامے تاریخ میں محفوظ ہیں اسی طرح مستقبل کا مؤرخ تحریک نظریۂ پاکستان کے کارکنوں کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ تحریک نظریۂ پاکستان کو بھی تحریک پاکستان کی طرح منظّم کرنے کی ضرورت ہے۔ مجید نظامی صاحب نے بجا طور پر کہا ہے کہ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ اُن کا یا کسی اور فرد کا ذاتی ادارہ نہیں بلکہ یہ ایک قومی ادارہ ہے۔ نظریۂ پاکستان کی تحریک بھی کسی کی ذاتی تحریک نہیں بلکہ یہ پوری قوم کی تحریک ہے اور تحریکِ نظریۂ پاکستان دراصل پاکستان کی سلامتی اور بقاء کی تحریک ہے۔

میں نے پہلے بھی شاید کبھی یہ تحریر کیا تھا کہ نظریۂ پاکستان ہمارے وطن عزیز کے قیام سے قبل بھی اپنا وجود رکھتا تھا بلکہ نظریۂ پاکستان کے وجود ہی نے پاکستان کو وجود بخشا۔ اس لیے نظریۂ پاکستان ہمارے نزدیک پاکستان کی طرح محترم ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے میں تحریک نظریۂ پاکستان کے ہر کارکن کو محترم جانتا ہوں۔ اُن کی منزل قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کے مطابق ایک اسلامی، جمہوری اور فلاحی پاکستان

ہے۔ میرا یقین ہے کہ تحریکِ پاکستان کی طرح تحریکِ نظریۂ پاکستان بھی ضرور کامیاب ہوگی اور مجید نظامی کی زندگی ہی میں ہم قائداعظمؒ کے اُس خواب کی تعبیر ضرور دیکھیں گے یعنی اسلامی، جمہوری اور فلاحی مملکت۔ ایک ایسا ملک جہاں ''محمود وایاز'' میں کوئی امتیاز نہ ہوگا۔

(یہ کالم قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے افکار وتعلیمات کی ترویج واشاعت میں مجید نظامی کی جہد مسلسل کے اعتراف میں شائع کیا جا رہا ہے)۔

............*

پاکستان ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے ہے

بھارت کے وزیر خزانہ پرناب مکھرجی نے لوک سبھا میں یہ بیان دیا ہے کہ ہم پاکستان کو ختم نہیں کر سکتے، اس کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اگرچہ پاکستان کی سلامتی کی ضمانت ہمیں بھارت کے کسی وزیر سے لینے کی ضرورت نہیں تاہم بھارتی وزیر کا یہ اعتراف کہ پاکستان ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے بنا ہے ہمارے اُن پاکستانی ''دانشوروں'' کی آنکھیں کھول دینے کے لیے ایک قیمتی نسخہ ثابت ہو سکتا ہے جو اپنی تحریروں میں پاکستان کے مستقبل سے ہمیں مایوس کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔

پرناب مکھرجی کا درج بالا بیان پڑھ کر یقیناً وہ لوگ ضرور شرمندہ ہوئے ہوں گے جو پاکستان کا کھاتے ہیں، پاکستان کو لوٹتے ہیں، شجرِ پاکستان پر لگے ہوئے ثمرات توڑتے اور اس سے جھولیاں بھرتے ہیں لیکن پاکستان کی سلامتی اور محفوظ مستقبل پر انھیں اتنا یقین بھی نہیں جتنے یقین کا اظہار پاکستان کے ازلی اور ابدی دشمن بھارت کے ایک وزیر کے اس بیان سے جھلکتا ہے کہ ''پاکستان نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے'' یقیناً پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ ایک بھارت کیا کئی بھارت مل کر بھی پاکستان کو ختم نہیں کر سکتے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پاکستان میں ایسے عناصر اور ایسی طاقتوں کو پنپنے کا موقع نہ دیا جائے جو انڈیا، امریکہ یا کسی اور پاکستان دشمن طاقت کے آلۂ کار بن کر پاکستان کو اندر سے نقصان پہنچاتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں نے اگرچہ درج ذیل اشعار قیامِ پاکستان سے بہت پہلے کہے تھے لیکن ان اشعار میں پاکستان کی تخریب کی 62 سال تاریخ محفوظ ہے۔

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے
کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا
مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

پاکستان کی تباہی و بربادی کے منصوبے یقیناً بیرونِ ملک ہی کہیں تیار ہوتے ہیں، لیکن پاکستان دشمن طاقتوں کے مذموم عزائم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہماری قوم کے اندر سے فارن ایجنڈا کی تکمیل کے لیے کچھ ''ایکٹر'' میسر نہیں آتے۔

ہمارے حکمران اور حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے سیاست دان بھی عجیب ہیں کہ وہ بھی شعوری اور غیر شعوری طور پر ہر وقت کسی نہ کسی فارن ایجنڈے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں لگے ہوتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال دہشت گردی کے خلاف ہماری جنگ ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ ضرور لڑنی چاہیے لیکن اپنی قومی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ ہمیں اپنے نفع ونقصان کے بارے میں فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ امریکہ یا کوئی اور ملک ہمیں اپنی پالیسیوں کے مطابق ڈکٹیشن دے اور وہ یہ فیصلہ کرے کہ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟ دہشت گرد کون ہے یا کون نہیں ہے؟ اور یہ بھی درست نہیں کہ امریکہ یا کوئی دوسرا ملک جب ''دہشت گردوں'' کی فصل تیار کر رہا ہو اس وقت بھی ہم امریکہ سے تعاون کریں اور جب ''دہشت گردوں'' کے خلاف امریکہ اعلان جنگ کرے تو اس وقت بھی یہ جنگ ہم پاکستان میں منتقل کر لیں۔

وہ دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی اپنی جنگ کیسے ہوسکتی ہے جس کا کنٹرول امریکہ کے ہاتھ میں ہو اور پاکستان کے حکمران صرف امریکی فیصلوں کے پابند ہوں۔ اگر دہشت گردوں سے حقیقی خطرات پاکستان کو لاحق ہیں تو فیصلے پاکستانی حکمرانوں کے اپنے ہونا چاہئیں اور دیگر ممالک کو پاکستان کی آزادانہ حکمت عملی کے مطابق ہماری مدد کرنی چاہیے، لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے جن دہشت گردوں سے ہم نبرد آزما ہیں ان کو مالی اور اسلحے کی امداد افغانستان اور انڈیا سے فراہم کی جا رہی ہے اور یہی انڈیا اور افغانستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے حلیف بھی ہیں۔

گویا ہمیں کسی اور کی جنگ میں ملوث کر دیا گیا ہے۔ اس صورتِ حال کو میں نے اوپر کی سطور میں فارن ایجنڈے پر عمل کا نام دیا ہے۔ ہمارا ایجنڈ ایک ہی ہونا چاہیے پاکستان کی سلامتی، پاکستان کا مفاد، پاکستان کی بہتری اور یہ غیر مبہم اعلان کہ ''پاکستان نے ہمیشہ رہنا ہے'' کیوں کہ پاکستان کا قیام مسلم قومیت کے نظریے کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا اور مسلم قومیت کی بنیاد اسلام ہے جو بجائے خود ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

بعض ''دانشور'' یہ مغالطہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور اس کا مقصد اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ نہیں تھا۔ ایسا یقیناً بدنیتی سے کہا جاتا ہے ورنہ جہاں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ یقیناً اپنے ملک میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کریں گے اور جس ملک کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے قائداعظمؒ نے اسلامی ضابطۂ حیات کو کھل کر اور دوٹوک انداز میں اپنی منزل قرار دیا ہو اس ملک کے بنیادی نظریے کے حوالے سے مغالطہ کیوں کر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم بہ حیثیت مجموعی پاکستان کی سمت کو درست کرنے میں کامیاب رہے اور

نظریۂ پاکستان کے بطن میں چھپے ہوئے فلسفے کو ہم نے اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا تو پاکستان کی سلامتی پر کبھی آنچ نہیں آسکتی۔

❋......❋......❋

نظریۂ پاکستان کی میراث

اگر چہ یہ کہنا یا لکھنا کہ نظریۂ پاکستان نامی چیز کا قیام پاکستان سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ مؤقف کہ پاکستان 1947ء میں قائم ہو گیا تھا، لیکن نظریۂ پاکستان 1970ء میں ایک فوجی حکمران جنرل یحییٰ خاں کے دور میں ایجاد کیا گیا تھا اور یہ کہ نظریہ پاکستان ''میڈ ان جی ایچ کیو'' ہے۔ محض خرافات ہیں۔ لیکن جب یہ خرافات کسی بڑے اخبار میں شائع ہوں اور یہ تحریر بھی اس اخبار کے کسی مستقل کالم نویس کی ہو تو اس کا جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک کالم نویس نے اپنے کالم میں یہ عجیب وغریب بات بھی تحریر کی ہے کہ پاکستان کے علاوہ اگر دنیا کے کسی ملک کے شہری سے یہ سوال کریں گے کہ تمھارے ملک کا نظریہ کیا ہے تو وہ یہ سوال سن کر بے ہوش ہو جائے گا۔ گویا کالم نگار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں نظریے کی بات کی جاتی ہے ورنہ دنیا بھر میں نظریہ کسی ملک کا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی نظریے کی بنیاد پر کوئی ملک حاصل کیا جاتا ہے۔

دنیا میں کوئی ملک کیسے وجود میں آیا یا مختلف ممالک کیسے قائم ہوتے رہے یہ میرا موضوع نہیں لیکن پاکستان کیونکر وجود میں آیا۔ اس ملک کی بنیاد کسی نظریے پر استوار ہوئی یا یہ ملک کسی اصول اور نظریے کے بغیر ہی قائم ہو گیا یہ میرا مسئلہ ہے۔ کیوں کہ

میں اس ملک کا ایک شہری ہوں اور اسی ملک سے میری شناخت ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ

جس طرح اقوامِ مغرب کے مقابلے میں قومِ رسول ہاشمی کی ترکیب مختلف ہے اسی طرح پاکستان کے قیام کی ترکیب بھی دوسرے ملکوں سے مختلف ہے۔ اقوامِ مغرب ملک اور نسب کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہیں لیکن مسلمان قوم مذہب کی اساس پر ترتیب پاتی ہے۔ پاکستان مسلم قومیت کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ ہماری مسلم قومیت پاکستان کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئی۔ پاکستان اس اعتبار سے ایک منفرد ملک بھی ہے کہ اس کا نظریہ پہلے وجود میں آیا ملک بعد میں قائم ہوا۔

قائداعظمؒ کے الفاظ میں اگر ہم قیامِ پاکستان کے مقاصد کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ان کی ان گنت تقاریر کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ قائداعظمؒ سے زیادہ بہتر پاکستان کے قیام کی تشریح کر بھی کون سکتا ہے کیوں کہ وہ بانیٔ پاکستان تھے اور انہی کی ایمان افروز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان کی جنگ جیتی تھی۔

قائداعظمؒ نے 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد

نہیں رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔"

اس سے زیادہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں پاکستان کی اساس کی تشریح قائد اعظمؒ اور کیا کر سکتے تھے۔ آپ غور فرمائیں کہ علامہ اقبالؒ نے شعر کی صورت میں "قومِ رسولِ ہاشمیؐ" کی جو تعریف بیان کی تھی۔ قائد اعظمؒ نے اپنے الفاظ میں مسلم قومیت کے اُسی تصور کو پاکستان کی بنیاد قرار دیا ہے۔ جو لوگ قیام پاکستان کے مخالف تھے وہ ہندو تھے یا کانگریس کے حامی علماء کرام وہ قوم کی بنیاد وطن کو قرار دیتے تھے اور جو لوگ قیامِ پاکستان کے علمبردار تھے ان کا یہ نظریہ تھا مسلمان قوم کی بنیاد وطن نہیں بلکہ دینِ اسلام ہے۔

علامہ اقبالؒ کے وہ تاریخی اشعار کسے یاد نہیں ہوں گے جو انھوں نے جمعیت العلماء ہند کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن
چہ بے خبر زمقامِ محمدؐ عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم دین کیوں نہ ہو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قوم وطن کی بنیاد پر بنتی ہے وہ محمد عربیؐ کے مقام اور پیغام سے کتنا بے خبر ہے۔

قائد اعظمؒ نے مسلم قومیت کے اسی تصور کو اُجاگر کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ جس

دن ہندوستان میں پہلے شخص نے اسلام قبول کیا تھا اُسی لمحے پاکستان کے قیام کا آغاز ہو گیا۔ کیوں کہ مسلمان ہونے والے شخص کی قوم کے طور پر اپنی ایک الگ شناخت اور انفرادیت قائم ہو گئی تھی۔ اب وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا تھا۔ قائد اعظمؒ نے مزید فرمایا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ کیا ہے؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجۂ جواز کیا تھا؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو میرا جواب یہ ہے کہ یہ نہ انگریزوں کی چال ہے نہ ہندوؤں کی تنگ نظری بلکہ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔ قائد اعظمؒ نے جن واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ اسلام ہے۔ اس کے بعد کوئی بدنیت شخص ہی یہ تحریر کر سکتا ہے کہ پاکستان قائم تو 1947ء میں ہو گیا تھا لیکن نظریۂ پاکستان 1970ء میں ایک فوجی ڈکٹیٹر کے دور میں ایجاد کیا گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی فوجی ڈکٹیٹر کا قیام پاکستان سے کیا تعلق ہے۔ دوسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے زیادہ بہتر پاکستان کے مطالبہ کی تشریح اور تفسیر اور کون کر سکتا ہے؟ قائد اعظمؒ نے جب اسلام ہی کو پاکستان کے مطالبے کا جذبۂ محرکہ قرار دیا ہے تو پھر اسلام ہی پاکستان کی اساس ہے، یہی پاکستان کا نظریہ ہے۔ اگر کسی شخص کو ''نظریۂ پاکستان'' کی ترکیب سے پرخاش ہے یا ''نظریۂ پاکستان'' کے الفاظ سے کسی فرد کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ نظریۂ پاکستان کی دشمنی میں یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے ''میڈ اِن جی ایچ کیو'' قرار دے ڈالتا ہے تو میں اس شخص کی خدمت میں یہ گزارش کروں گا کہ نظریۂ پاکستان کے الفاظ کو مطعون کرنے کے لیے تو اُس نے ایک فوجی ڈکٹیٹر جنرل یحییٰ خاں کا نام استعمال کر لیا لیکن کیا وہ قائد اعظمؒ کے ان الفاظ کو تبدیل کر سکتا ہے کہ قیامِ پاکستان کی

وجہ ہندوؤں کی تنگ نظری یا بدکرداری نہیں بلکہ پاکستان اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔

قائداعظمؒ نے نہ صرف قیامِ پاکستان سے پہلے بلکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اپنی مختلف تقاریر میں پاکستان کے مطالبے کا پس منظر بیان کیا ہے۔ 13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

قائداعظمؒ کے اس تاریخی خطاب کی روشنی میں اگر پاکستان کو ''تجربہ گاہِ اسلام'' قرار دیا جائے تو یہی نظریۂ پاکستان ہے۔ ''نظریۂ پاکستان'' کوئی جن نہیں جسے دیکھ کر بعض لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں اور پھر حواس باختگی میں وہ کچھ تحریر کر دیتے ہیں جس کا نہ کوئی سر ہوتا ہے اور نہ پاؤں۔ پاکستان کی اساس کے بارے میں جو کچھ قائداعظمؒ نے فرمایا وہ ہمارے لیے حرفِ آخر ہے۔ قائداعظمؒ ہی وہ رہبر فرزانہ تھے جن کی ولولہ انگیز قیادت میں قیامِ پاکستان کا معجزہ رونما ہوا۔

اگر قائداعظمؒ پاکستان کو ''تجربہ گاہِ اسلام'' کا نام دیتے ہیں تو کس کی یہ جرأت ہے کہ وہ یہ تحریر کرے کہ پاکستان نفاذِ اسلام کے لیے ہرگز نہیں بنایا گیا تھا۔ قائداعظمؒ کا کوئی بدترین دشمن بھی اُن پر جھوٹ یا منافقت کا الزام عائد نہیں کر سکتا۔ قائداعظمؒ کو کوئی مصلحت اندیش سیاست دان بھی قرار نہیں دے سکتا۔ قائداعظمؒ کی پوری سیاست کا انحصار ہی سچ پر تھا۔ قائداعظمؒ وہی کہتے تھے جو اُن کا مطلب ہوتا تھا۔ وہ کسی کو خوش یا ناراض کرنے کے لیے اپنا نقطۂ نظر تبدیل نہیں کرتے تھے۔

اگر قائداعظمؒ خدانخواستہ جھوٹ بولنے والے یا مصلحتوں کا شکار ہو جانے والے

سیاست دان ہوتے تو وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی مخالفت کے باوجود پاکستان کی جنگ جیت ہی نہیں سکتے تھے۔ قائداعظمؒ ایک ایک لفظ سوچ کر اور تول کر بولتے تھے۔ اگر قائداعظمؒ نے پاکستان کو اسلام کے اصولوں کو آزمانے کے لیے ایک تجربہ گاہ قرار دیا ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے۔ اگر قائداعظمؒ نے پاکستان کو اسلام کا بنیادی مطالبہ قرار دیا ہے تو یہی وہ نظریہ اور اصول ہے جسے قوم کے دلوں میں زندہ رکھنے کے لیے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے جناب مجید نظامی کی قیادت میں لاہور میں 25 اور 26 اکتوبر کو دو روزہ نظریۂ پاکستان کانفرنس کا اہتمام کیا تھا۔

قیامِ پاکستان کے 61 سال بعد بھی اگر کچھ نام نہاد دانشور نظریۂ پاکستان کے درست تصور کو اپنی تحریروں کے ذریعے دھندلانے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے حالات میں نظریۂ پاکستان کانفرنس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ قائداعظمؒ کے تصور پاکستان کو اگر گاندھی اور نہرو جیسے شاطر سیاست دان شکست نہیں دے سکتے تھے تو یہ لوگ جو ہر حکمران کے دسترخوان سے مفادات کے لقمے چنتے اور انہی حکمرانوں کے اقتدار سے محروم ہونے پر زبان درازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کردار سے محروم ایسے افراد قائداعظمؒ کے دیئے ہوئے نظریۂ پاکستان کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

جب تک تحریک پاکستان کے مجاہدین مجید نظامی اور ان کے ہم عصر زندہ ہیں نظریۂ پاکستان کی شمع ان کے افکار کی صورت میں روشن رہے گی اور جب یہ لوگ موجود نہیں ہوں گے تو نسلاً بعد نسل نظریۂ پاکستان کی میراث اگلے لوگوں کو منتقل ہوتی رہے گی۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ دراصل نظریۂ پاکستان کی میراث کو بہ حفاظت اگلی نسلوں کو منتقل کرنے کا ادارہ ہے۔ نظریۂ پاکستان کی یہی وہ میراث ہے جو پاکستان کی محافظ بھی ہے۔ پاکستان اپنی ساخت اور بنیاد کے اعتبار سے ایک ایسا ملک ہے کہ جس کے

نظریے کی حفاظت اس کے جغرافیے سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کا نظریہ اس وقت وجود میں آیا تھا جب پاکستان کی جغرافیائی حدود کا تصور بھی کسی ذہن میں موجود نہیں تھا۔ یہ نظریہ ہے جس نے ہمیں پاکستان دیا۔ پاکستان نے نظریے کو جنم نہیں دیا۔ پاکستان کا جغرافیہ ہمارے لیے محترم ہی نہیں مقدس بھی ہے کیوں کہ قائد اعظمؒ نے اسے اسلام کی تجربہ گاہ سے منسوب کیا ہے۔ ہمیں پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی دونوں سرحدوں کی حفاظت کا فرض نبھانا ہو گا۔ اگر پاکستان کے جغرافیائی حصار کے لیے ایٹم بم ضروری تھا تو پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی ایٹم بم اور بھاری اسلحہ خانہ ضروری ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایک اسلحہ خانہ ہے۔ قائد اعظمؒ نے تحریک پاکستان کے موقع پر علی گڑھ یونیورسٹی کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں اہمیت کے اعتبار سے Arsenal (اسلحہ خانہ) قرار دیا تھا۔ اس دور میں یہی کردار نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے سنبھال لیا ہے۔

پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر جب بھی کوئی کم ظرف دشمن حملہ آور ہوتا ہے اس پر جوابی حملہ کی ذمہ داری نظریۂ پاکستان ٹرسٹ پر عائد ہوتی ہے۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ اپنے کمانڈر مجید نظامی کی سربراہی میں ہمہ وقت مستعد اور بیدار نظر آتا ہے۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر حملہ بیرون ملک سے ہو یا پاکستان کے اندر چھپے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں کی جانب سے ہو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نظریۂ پاکستان کانفرنس کا انعقاد نہ صرف لاہور میں بلکہ پاکستان کے دیگر بڑے شہروں میں بھی ہوتا رہنا چاہیے۔ اور نظریۂ پاکستان کی میراث کو وطن عزیز کے نوجوانوں اور نونہالوں کو منتقل کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔

قائداعظمؒ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

آج گیارہ ستمبر کو ہم یومِ قائداعظمؒ منا رہے ہیں۔ ہمیں بانیٔ پاکستان کا یوم مناتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ کی زندگی اور نظریات و مقاصد پر بھی غور کرنا چاہیے۔ اور یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے اپنے قائداعظمؒ کے فرمودات پر کہاں تک عمل کیا اور تحریک پاکستان کی روشنی میں پاکستان کی روحانی اور نظریاتی تعمیر میں کہاں تک کامیاب رہے۔ زندہ قومیں کبھی اپنے جلیل القدر محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں کیوں کہ ان کی یاد، اُن کے بتائے ہوئے رہنما اصول، ان کی جدوجہد اور اُن کی فتوحات (قیامِ پاکستان سے بڑی فتح اور کیا ہوگی) زندگی کی شاہراؤں پر زندہ قوموں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں۔ قائداعظمؒ جیسے عظیم المرتبت سیاست دان کی عظمتِ کردار اگر ہمارے پیش نظر رہتی تو ہمارے قومی وقار اور عظمت کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی پوری زندگی ہمارے لیے سبق آموز، حیات آفریں اور روح پرور ہے۔ جناح نے ایک متوسط گھرانے میں آنکھیں کھولیں، عام سے مدرسوں میں تعلیم پائی، ابتدائی زندگی میں انھیں خوشحالی کے ایام میسر نہیں تھے لیکن قناعت کا دامن انھوں نے کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انھوں نے انگلستان جا کر جو اعلیٰ تعلیم حاصل کی یہ بھی ان کی امارت کی دلیل نہیں تھی بلکہ تعلیم کی سچی لگن انھیں اتنی دور لے گئی۔ قانون کی یہی اعلیٰ تعلیم بطورِ سیاست دان قائداعظمؒ کا سب سے مؤثر ہتھیار

ثابت ہوئی۔ قائد اعظمؒ کے دل میں جو قومی درد اور خلوص تھا اس سے قوم کا متاثر ہونا ایک فطری بات تھی اور قوم کا قائد اعظمؒ پر اعتماد ہمارے عظیم لیڈر کی وہ ناقابل تسخیر طاقت تھی جو تحریک پاکستان کی کامیابی کی بنیاد بنی۔

قوم کا اپنے عظیم لیڈر پر جو اعتماد تھا قائد اعظمؒ نے کبھی اس اعتماد کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔ قائد اعظمؒ نے اپنی نظروں سے قومی مقاصد کو کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔ آج کے سیاست دانوں اور قائد اعظمؒ میں یہی فرق ہے کہ اس دور کے سیاست دانوں نے سیاست میں ہمیشہ اپنے مقاصد کو سامنے رکھا اور جب اپنے مقاصد پر کوئی زد آئی اس کے مطابق ہمارے سیاست دان اپنا لائحہ عمل تبدیل کر لیتے ہیں۔

ہم میثاقِ جمہوریت بھی اس وقت کرتے ہیں جب ہمیں یہ اپنے مفاد کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے اور جب میثاقِ جمہوریت ہمیں اپنے مفاد سے متصادم نظر آتا ہے تو سب سے پہلے میثاقِ جمہوریت سے انحراف بھی ہم ہی کرتے ہیں۔ ذرا سوچیے اگر قائد اعظمؒ کی سیاست بھی اپنے ذاتی مقاصد تک محدود ہوتی تو کیا کبھی پاکستان کے قیام کا معجزہ رونما ہو سکتا تھا۔ ہر گز نہیں۔ پاکستان معرض وجود میں اس لیے آ گیا کہ قوم کو اس وقت قائد اعظمؒ جیسا مسیحا میسر آ گیا تھا، جن کے ظاہر اور باطن میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔ جنھوں نے ایک دفعہ پاکستان کی منزل کا تعین کر لیا تو پھر پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ قائد اعظمؒ نے کانگرس سے مایوس ہو کر جب پاکستان ہی کو مسلمانوں کی نجات کی واحد صورت سمجھا تو پھر قائد اعظمؒ کی ساری فکری اور عملی توانائیاں پاکستان کے لیے مختص ہو گئیں۔

تحریک پاکستان کی راہ میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں لیکن قائد اعظمؒ کے پائے

استقلال میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر بدقسمتی سے تحریک پاکستان کے دور میں ہمیں قائداعظمؒ کے بجائے این آر او کی پیداوار کسی لیڈر کی قیادت میسر ہوتی تو قیامِ پاکستان کے مطالبے کا کیا حشر ہوتا؟! ہمارے موجودہ لیڈر جو ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور جن کی ٹانگیں ایک معزول فوجی آمر کے احتساب کے مطالبہ پر کانپنا شروع ہو جاتی ہیں وہ اس انگریز کا مقابلہ کیسے کرتے جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

یہ قائداعظمؒ جیسے دیوقامت سیاست دان ہی تھے جنھوں نے تن تنہا انگریز کا مقابلہ کیا اور ہندوؤں کی اندھی طاقت سے بھی ٹکرا گئے اور حصولِ پاکستان کے وعدے کو پورا کر دکھایا۔ آج ہمارا ملک جن مشکل بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔ ان حالات میں ایک بار پھر ہمیں قائداعظمؒ جیسے عزمِ راسخ اور اُن ہی جیسے قربانیاں دینے والے لیڈر کی ضرورت ہے۔ اس قحط الرجال میں قوم کو قائداعظمؒ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں۔ کاش ہماری صفوں میں سے کوئی لیڈر قائداعظمؒ جیسا اٹھے جو ہمیں آزادی اور غلامی کے مفہوم میں جو فرق ہے اس سے آگاہ کرے اور پاکستان کو ایک بار پھر زندہ اور باوقار قوموں کی صف میں لا کھڑا کرے۔

............*

قائداعظمؒ کے گستاخ کو پاکستان میں

چپڑاسی بھی نہیں رکھنا چاہیے

لاہور ہائی کورٹ کے ایک سابق جج اور فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے دور کے ایک اٹارنی جنرل ملک قیوم پہلے بھی کوئی نیک نام شخصیت نہیں ہیں لیکن پاکستانی قوم کی نظروں میں وہ اور بھی حقیر ہو گئے ہیں جب سے انھوں نے قائداعظمؒ کے خلاف یہ ہرزہ سرائی کی ہے کہ قائداعظمؒ بھی پیسوں کے لیے مقدمات لڑتے تھے اور میں بھی اصولوں اور اخلاقی تقاضوں کی پروا کیے بغیر صرف پیسوں کے لیے وکالت کرتا ہوں۔

ملک قیوم نے اس بیہودہ گوئی کا مظاہرہ ایک ٹی وی پروگرام میں کیا ہے۔ نجی ٹی وی چینل کے میزبان نے انھیں منع بھی کیا کہ وہ قائداعظمؒ کی شان میں گستاخی سے گریز کریں لیکن ملک قیوم بار بار یہ کہتے رہے کہ قائداعظمؒ بھی فیس کے لیے مقدمات لڑتے تھے اور میں بھی اصولوں اور اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف فیس کے لیے مقدمات کی پیروی کرتا ہوں۔

جہاں تک قائداعظمؒ کی اصول پسندانہ شخصیت کا تعلق ہے اس پایہ کا لیڈر اور اس مرتبے کا دیانت دار وکیل شاید ہی کوئی اور اس صدی میں برصغیر ہند و پاک میں پیدا ہوا ہو۔ قائداعظمؒ کی بطورِ وکیل زندگی سے اُن کی دیانت داری اور اخلاقی عظمت کی کئی

مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن قائداعظمؒ کی اصول پسندی، سیاسی اور اخلاقی اقدار کی پختگی، اپنے مؤقف سے کسی لالچ اور خوف سے دستبردار نہ ہونے کی خوبی کا سب سے بڑا ثبوت تو خود پاکستان کا قیام بھی ہے۔ قائداعظمؒ اگر اپنے اصولوں پر معمولی لچک کا مظاہرہ کرنے والے سیاست داں ہوتے اور ان کے ذاتی اخلاق و کردار میں کوئی چھوٹا سا نقص بھی ہوتا تو انھیں پاکستان کے بانی ہونے کا لازوال افتخار کبھی بھی حاصل نہ ہوتا۔

ملک قیوم جس ''شہرت'' کے جج رہے ہیں اور جس کردار کے وہ وکیل ہیں اس حوالے سے وہ اپنی زبان سے خود اقرار کر رہے ہیں کہ میں اصولوں اور اخلاقی تقاضوں کی پروا کیے بغیر صرف پیسوں کے لیے وکالت کرتا ہوں۔ ایک فوجی ڈکٹیٹر کے مقرر کیے ہوئے اٹارنی جنرل سے اخلاقی تقاضے پورے کرنے یا کسی اصول پسندی کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ افسوسناک بات ہے کہ ملک قیوم بطور جج اور بعد میں بطورِ وکیل اپنے کردار پر شرمسار ہونے کے بجائے بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظمؒ کے کردار پر بھی حملہ کر دیں کہ جس طرح وہ صرف پیسوں کی خاطر وکالت کرتے تھے اسی طرح میں بھی محض پیسوں کے لیے مقدمات لڑتا ہوں اور اس میں اصولوں اور اخلاق کو کوئی دخل نہیں۔

ملک قیوم نے وکالت کے میدان میں اپنے کالے کرتوتوں کو جواز مہیا کرنے کے لیے خوامخواہ قائداعظمؒ کی شان میں جو گستاخی کی ہے اس پر اردو زبان کا وہ محاورہ صادق آتا ہے کہ:

''چاند پر خاک ڈالنے سے اپنے منہ پر ہی خاک پڑتی ہے''

قائداعظمؒ کی سیاسی طور پر بے عیب شخصیت پر الزام لگانے سے ملک قیوم کے گھناؤنے جرائم میں ایک اور جرم کا ہی اضافہ ہوا ہے۔ ملک قیوم کا یہ بیان کہ وکالت

میں اصول اور اخلاق نہیں دیکھے جاتے صرف پیسے کمانے کے لیے وکالت کی جاتی ہے خود وکلا برادری کی بھی توہین ہے۔ قائداعظمؒ کی تو شان ہی منفرد ہے۔ عام وکیلوں سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ صرف پیسے کمانے کے لیے وکالت کرتے ہیں اور یہ کہ ان کے پیش نظر اصول اور اخلاقی تقاضے نہیں ہوتے۔ جو وکلا برادری تقریباً ایک سال اور نو ماہ آزاد عدلیہ کی بحالی کا پرچم بلند رکھے ہوئے ہے اور آزاد عدلیہ کی بحالی کی تحریک میں وکلا نے نہ صرف اپنی جانوں کی قربانیاں دی ہیں، اپنے دفتروں کو آگ لگوائی ہے اور جن وکلا کی ماہانہ آمدنی عدالتی بائیکاٹ اور ہڑتالوں کی مسلسل بھینٹ چڑھی ہوئی ہے اگر ان وکلا کے پیش نظر اصول، اخلاقی تقاضے اور اپنے پیشے کی اعلیٰ روایات نہ ہوں تو کیا وہ اتنی مؤثر اور طویل تحریک چلا سکتے تھے۔

ملک قیوم تو وکلا کی اس عظیم تحریک کے بھی غدار ہیں اور پاکستان میں آزاد عدلیہ کے تصور کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والے فوجی آمر پرویز مشرف کے قریبی ساتھی رہے ہیں۔ وہ اپنے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں وکالت میں ان کا نہ کوئی اصول ہے اور نہ ہی وہ وکالت کے اخلاقی تقاضوں پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن ان وکلا کی عظمتِ کردار کو تاریخ ہمیشہ اپنے اوراق میں سلام پیش کرے گی، جنھوں نے اپنے اصولوں کی خاطر بڑی سے بڑی مالی پیش کشیں ٹھکرا دیں حتیٰ کہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس میں ججوں کے عہدے قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا کہ انھیں اپنے اصول اور اخلاقی قدریں ان عہدوں سے زیادہ عزیز تھیں۔ قائداعظمؒ کے گستاخ ملک قیوم کو قائداعظمؒ کی رفعتِ کردار کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے وہ تو ان وکلا کے پاؤں کی گرد بھی نہیں جن وکلا نے اپنے پائے حقارت سے حکومت کی بڑی سے بڑی پیش کش کو صرف اس لیے قبول نہیں کیا کہ انھیں اپنے اصولوں سے بے وفائی گوارا نہیں تھی۔

ملک قیوم سے مجھے یاد آ رہا ہے کہ آج سے تین چار سال پہلے موجودہ اٹارنی جنرل سردار لطیف کھوسہ نے بھی قائداعظمؒ کی شان میں ایک گستاخی کی تھی۔ انھوں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو، قائد اعظمؒ سے بڑے لیڈر تھے۔ کہاں پاکستان کی سیاست کا سب سے محترم کردار اور کہاں پاکستان کے متنازعہ لیڈر ذوالفقار علی بھٹو۔ بھٹو مرحوم عوام کے ایک مقبول لیڈر ضرور تھے لیکن متفقہ لیڈر کبھی بھی نہیں تھے۔ قائداعظمؒ کے ساتھ بھٹو صاحب کا موازنہ کرنا ہی قائداعظمؒ سے زیادتی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہاں مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ قائداعظمؒ کے گستاخوں کو ہی پاکستان میں اٹارنی جنرل کیوں مقرر کیا جاتا ہے؟! اٹارنی جنرل ایک بڑا آئینی عہدہ ہے۔ ملک میں ایسی قانون سازی ہونی چاہیے کہ بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی عظمت کردار کا کوئی منکر اٹارنی جنرل کے منصب پر فائز نہ کیا جائے۔ قائداعظمؒ سے بڑا محسن پاکستانی قوم کا اور کون ہو سکتا ہے؟ جو شخص قائداعظمؒ کا گستاخ ہے اس سے بڑا محسن کش کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے محسن کشوں کو پاکستان کا اٹارنی جنرل تو کیا اٹارنی جنرل کے دفتر میں نائب قاصد بھی بھرتی نہیں کرنا چاہیے۔

............*

قائداعظمؒ پاکستان کے پرچم کی طرح محترم ہیں

ایک نیوز چینل نے خبر دی ہے کہ ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس سے بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تصاویر غائب کر دی گئی ہیں اور مختلف سرکاری تقاریب کے موقع پر وزیراعظم ہاؤس اور ایوانِ صدر میں دیواروں پر جو تصاویر آویزاں دکھائی دیتی ہیں ان میں نمایاں ترین تصویر بے نظیر بھٹو کی ہے اور دیگر تصاویر میں ذوالفقار علی بھٹو، آصف زرداری اور بلاول بھٹو زرداری کی شامل ہیں۔

قائداعظمؒ کو بانیٔ پاکستان اور اس صدی میں برصغیر کے سب سے بڑے مسلمان راہنما کی حیثیت سے جو مقام و مرتبہ حاصل ہے اس کے مقابلے میں کوئی بھی سیاست دان قائداعظمؒ کی خاکِ پا تک نہیں پہنچتا۔ قائداعظمؒ کی تصویر ایوانِ صدر یا وزیراعظم ہاؤس میں آویزاں کرنے سے قائداعظمؒ کی قدرومنزلت میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ خود ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس کی دیواریں محترم ہو جاتی ہیں۔ اگر ایوانِ صدر یا وزیراعظم ہاؤس سے بانیٔ پاکستان کی تصاویر شعوری یا پھر غیرشعوری طور پر غائب کر دی جائیں تو اس ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس پر شک وشبہ کا اظہار ایک فطری بات ہو گی کہ وہ ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس پاکستان کا ہے بھی یا نہیں۔

قائداعظمؒ کی ذات ہمارے لیے پرچم پاکستان کی طرح محترم ہے اور جس طرح کسی سرکاری عمارت پر لہراتا ہوا پاکستان کا پرچم اس بات کی علامت ہے کہ یہ عمارت

پاکستان کی ہے۔ اسی طرح قائد اعظمؒ کی تصویر بھی ہماری قومی شناخت اور ہمارے قومی افتخار کا نشان ہے۔ قائد اعظمؒ کی اس حیثیت سے کوئی بدبخت پاکستانی ہی انکار کر سکتا ہے۔ کیوں کہ قائد اعظمؒ اور پاکستان ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ قائد اعظمؒ کی عظمت کا منکر کبھی پاکستان کا وفادار نہیں ہو سکتا اور پاکستان سے محبت کرنے والا کوئی شخص قائد اعظمؒ کی عہد ساز قومی خدمات کا انکار نہیں کر سکتا۔

صدر آصف زرداری اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اگر اپنے ذاتی گھروں میں قائد اعظمؒ کی تصاویر ہٹا کر ذوالفقار بھٹو یا بے نظیر بھٹو کی تصاویر لگا دیں تو شاید ان کا یہ جرم معاف کر دیا جائے لیکن ایوانِ صدر اور وزیر اعظم ہاؤس قوم کے دو سب سے بڑے منتخب عہدیداروں کی سرکاری رہائش گاہوں کا نام ہے اگر ان سرکاری رہائش گاہوں میں آصف زرداری اور یوسف رضا گیلانی مقیم ہیں تو وہ اس قوم کے منتخب نمائندے ہیں جو قائد اعظمؒ کو اپنا سب سے بڑا محسن اور نجات دہندہ سمجھتی ہے۔

قوم اپنے قائد اعظمؒ کی تعظیم اور احترام میں معمولی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی حکمران قائد اعظمؒ کے احترام کو کم کرنے کی مذموم حرکت کا مرتکب ہو کر یہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ ایوانِ صدر یا وزیر اعظم ہاؤس میں موجود رہ سکتا ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی خام خیالی ہے۔ ایک اور حقیقت جو صدر آصف زرداری اور یوسف رضا گیلانی کو فراموش نہیں کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ قائد اعظمؒ کے علاوہ کوئی بھی سیاست دان پوری قوم یا یوں کہہ لیں کہ عوام کی عظیم اکثریت کے نزدیک غیر متنازعہ نہیں ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو بلا شبہ اپنے اپنے دور کے ممتاز سیاست دان ہیں لیکن خود ان کے نزدیک بھی قائد اعظمؒ ہی سب سے محترم ہیں کیوں کہ قیام پاکستان کا لازوال معرکہ قوم نے صرف اور صرف قائد اعظمؒ کی قیادت میں سر کیا تھا۔ اگر کوئی

جماعت یا فرد قائداعظمؒ کی عظمت کو کم کر کے کسی دوسرے لیڈر کی تصویر ایوانِ صدر اور وزیراعظم ہاؤس میں آویزاں کر دے اور یہ خیال کرے کہ اس طرح اس لیڈر کے قد میں اضافہ ہوسکتا ہے تو یہ اس جماعت کی بھول ہوگی۔ اس طرح تو وہ لیڈر اور زیادہ متنازعہ ہو جائے گا۔

صدر آصف زرداری بے نظیر بھٹو کو اپنا لیڈر قرار دینے کا مکمل حق رکھتے ہیں، لیکن بے نظیر بھٹو، ذوالفقار علی بھٹو یا پاکستان کے کسی بھی اور اہم سیاست دان کے احترام کی حد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے بہت آگے جا کر قائداعظمؒ کے مقام کا آغاز ہوتا ہے۔ قائداعظمؒ کے ساتھ کسی دوسرے پاکستانی لیڈر کا تقابل ہی ایک احمقانہ جسارت ہے۔ آپ اپنے لیڈرز کو احترام دیں لیکن قائداعظمؒ کے بعد۔ اس طرح آپ کے لیڈر کے دامن میں بھی کچھ باقی رہ جائے گا لیکن قائداعظمؒ کی تصاویر غائب کر کے کسی بھی لیڈر کو احترام دینے کی کوشش بلکہ سازش کو قوم انتہائی حقارت سے مسترد کر دے گی۔ ایسی سازش کرنے والے خود بھی مسترد ہو جائیں گے اور قوم کی نظروں سے گر کر وہ کہیں کے بھی نہیں رہیں گے۔

............*

قائداعظمؒ اور ہمارے موجودہ سیاست دان

انسان کو دوسروں کی اصلاح کے لیے کوئی تحریک شروع کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور خود اس نصیحت کا عملی پیکر بن کر دکھانا چاہیے جو نصیحت ہم دوسروں کو کرنا چاہتے ہیں۔ جن اصولوں پر ہم دوسروں کو کاربند دیکھنا چاہتے ہیں پہلے ہماری سیرت و کردار ان اصولوں کے سانچے میں ڈھلی ہونا ضروری ہے۔ یوں تو گفتار و کردار میں یہ ہم آہنگی ہر اچھے انسان کی شناخت ہے لیکن جن افراد نے نسل انسانی کی قیادت کا فریضہ سنبھالنا ہو اُن کو اس اصول پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہیے کہ وہ اپنی قوم سے جس طرح کی قربانیوں کے آرزومند ہیں پہلے ان کو اپنی ذات کے اندر ایسا ''رول ماڈل'' بن کر دکھانا چاہیے۔

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا

اگر درج بالا اصول کو پیش نظر رکھ کر قائداعظمؒ کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے تو قائداعظمؒ آج کے تمام سیاست دانوں سے بالکل مختلف اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ قائداعظمؒ کی گفتار اور کردار میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا۔ ان کی نجی اور پبلک لائف میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ وہ جو کہتے ہیں وہی ان کا مطلب ہوتا تھا اور قوم سے وہ جو عہد کرتے تھے ان کا عمل اس عہد کے مطابق ہوتا تھا۔

وہ وعدے عمل کرنے کے لیے کرتے تھے۔ ان وعدوں سے انحراف کے بہانے تلاش نہیں کرتے تھے۔ ان کی زبان پر جو کچھ ہوتا وہی ان کے دل میں ہوتا۔ شاید قائد اعظمؒ کی یہی وہ قوت تھی، ان کے گفتار و کردار میں ہم آہنگی کا یہی وہ حسن تھا جو قیام پاکستان کے معجزہ کی صورت میں ہمارے سامنے رونما ہوا۔

ہمارے موجودہ سیاست دانوں میں قائد اعظمؒ کے کردار کی یہ جھلک دکھائی نہیں دیتی کہ یہ جو کچھ کہیں وہی ان کا مطلب ہو اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہو وہی ان کی زبان پر بھی ہو۔ قول و فعل کے تضاد کا یہ وہ مرض ہے جس کے باعث ہمارے سیاست دانوں کے عمل سے برکت اُٹھ چکی ہے۔ ان کی تقاریر اور زبان میں تاثیر نہیں ہے کیوں کہ ان کے کردار، ان کی گفتار سے مطابقت نہیں رکھتے۔ قائد اعظمؒ نے اپنے کردار کی قوت سے صرف 7 سال کی مدت میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی تشکیل کا اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ اگر قائد اعظمؒ کے بعد ہمارے سیاست دانوں میں وہی جذبہ اور کردار کی وہی روشنی موجود رہتی جس نے قائد اعظمؒ کی سعید روح سے قیام پاکستان کا کام لیا تھا تو قائد اعظمؒ کا پاکستان صرف 24 سال بعد دو حصوں میں تقسیم نہ ہو جاتا۔

آج ہم اس المناک صورتِ حال کا شکار نہ ہوتے کہ پاکستان کے ایک حصہ سے تو ہم 1971ء میں محروم ہو گئے تھے اور باقی حصے کو ایک دفعہ پھر اندرونی اور بیرونی سازشوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اگر آج ہمارے درمیان قائد اعظمؒ کی بلند سطح کا نہ سہی لیکن اُن جیسے اصولوں پر کاربند کم سطح کا کوئی لیڈر ہی موجود ہوتا تو پاکستان پوری دنیا میں یوں بے یارومددگار نہ ہوتا۔ آج اگر ہمیں قائد اعظمؒ کی طرح قول و فعل میں تضاد سے پاک اور قومی مفادات پر سمجھوتہ نہ کرنے والا کوئی لیڈر میسر

ہوتا تو کیا امریکہ یا کسی اور ملک کو پاکستان کی فضائی اور زمینی حدود کی خلاف ورزی کی اس طرح جرأت ہوتی جس طرح آج ہمارے ملک سے سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

قائداعظمؒ کے یوم ولادت پر انھیں یاد کرتے ہوئے ہمیں اس امر کا احساس اور زیادہ شدت سے ہوتا ہے کہ ہم بطورِ قوم قیادت کے بحران کے حوالے سے اپنی قومی زندگی کے بدترین دور سے گزر رہے ہیں۔ کاش! ہمیں آج اگر قائداعظمؒ جیسا کوئی عظیم المرتبت سیاسی مدبر میسر نہیں تو کوئی قائداعظمؒ کا سچا پیروکار ہی ہمارے درمیان موجود ہوتا جو قوم کے دلوں کو ایک بار پھر اس پیغام سے گرما دے کہ قائداعظمؒ کا پاکستان زندہ رہنے کے لیے بنا ہے۔ جس طرح انگریز اور ہندو باہم مل کر بھی پاکستان کے قیام کو نہیں روک سکے تھے اسی طرح امریکہ اور ہندوستان متحد ہو کر بھی پاکستان کی سلامتی اور خودمختاری کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پاکستان کی حفاظت قائداعظمؒ کے اصولوں اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی ممکن ہے۔

قائداعظمؒ کی بلند حوصلگی، اصول پرستی، ظاہر و باطن کی یکسانیت، نیک نیتی، ایثار پیشگی اور عظیم قومی مقاصد کے لیے جہد مسلسل میں ہمارے لیے ایک پیغام ہے۔ یہی وہ اوصاف تھے جو قیام پاکستان کی جنگ میں قائداعظمؒ کا ہتھیار تھے۔ انہی ہتھیاروں سے لیس ہو کر ہم پاکستان کی سلامتی کی جنگ جیت سکتے ہیں۔

جن سیاست دانوں میں اصول پرستی، نیک نیتی اور ایثار پیشگی کا فقدان ہوتا ہے انھیں صرف اپنے اقتدار کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ جن سیاست دانوں کو ہر گھڑی اپنے اقتدار کا خطرہ لاحق ہو وہ ملک کی حفاظت کیا کریں گے؟ آج ہمارے ملک کو ان سیاست دانوں کی شدت سے ضرورت ہے جن کا مسئلہ اقتدار نہ ہو بلکہ جن کے پیش نظر قائداعظمؒ کے افکار اور ان کی زندہ اقدار ہوں۔ جن طوفانوں میں آج پاکستان گھرا

ہوا ہے ان طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے قائد اعظمؒ ایسے عزم، حوصلے اور کردار کی ضرورت ہے۔ پاکستان کی سلامتی کے چراغ کو اندرونی اور بیرونی آندھیوں کی زد سے بچانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اب ہم قائد اعظمؒ کی یاد کو 25 دسمبر اور گیارہ ستمبر تک محدود نہ رکھیں بلکہ قائد اعظمؒ کے کردار کے خیال افروز پہلوؤں سے اپنے دلوں کو منور کر لیں اور قومی سیاست کو منافقت کی لعنت سے پاک کرنے کا پختہ عزم کر لیں۔ قائد اعظمؒ کا سیاست میں عظیم کامیابیوں کا راز یہی تھا کہ وہ اپنی ذات میں ان تمام خوبیوں کا رول ماڈل تھے جن خوبیوں کو وہ اپنی قوم میں دیکھنا چاہتے تھے۔ کاش! ہمارے موجودہ سیاست دان اپنے قول وفعل کا تضاد دور کر سکیں، ان کی نجی زندگی اور پبلک لائف میں بھی مطابقت پیدا ہو جائے اور ہمارے سیاست دان قوم سے قربانیوں کا مطالبہ کرنے سے پہلے ملک وقوم کے لیے خود بھی قربانی دینا سیکھ جائیں۔ قائد اعظمؒ نے تو حلال ذرائع ووسائل سے بنائی گئی اپنی جائیداد کا بڑا حصہ اپنے ملک کے لیے وقف کر دیا تھا۔

ہمارے آج کے سیاست دان ملک سے لوٹے ہوئے مال سے نصف حصہ بھی قوم کو واپس لوٹا دیں تو ہمارے زیادہ تر معاشی مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔

............*

علامہ اقبالؒ کی نگاہ میں قائداعظمؒ کا مقام

میں نے اپنے ایک کالم میں پاکستان کی تشکیل میں علامہ اقبالؒ کے کردار کے حوالے سے اظہار خیال کیا تھا۔ اب میں علامہ اقبالؒ کی نظر میں قائداعظمؒ کے مقام کے موضوع پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس موضوع پر اظہار کے بغیر قیامِ پاکستان میں علامہ اقبالؒ کے کردار کا باب مکمل نہیں ہوتا۔ قائداعظمؒ کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے خیالات جاننے کے لیے ہمیں سید نذیر نیازی کی کتاب ''اقبال کے حضور'' دیکھنا ہوگی۔ یہ کتاب ان نشستوں کا حاصل ہے جن میں علامہ اقبالؒ کے ہاں حاضر ہو کر سید نذیر نیازی کو گفتگو کا موقع ملا۔ ایسی ہی ایک نشست میں 7 مار 1938ء کو علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ جناح کے ہاتھ مضبوط کریں، لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کا متحدہ محاذ لیگ ہی کی سربراہی میں قائم ہو سکتا ہے اور لیگ کامیاب ہوگی تو جناح کے سہارے۔ جناح کے سوا اب کوئی شخص مسلمانوں کی قیادت کے اہل نہیں۔''

21 مارچ 1938ء کو علامہ اقبالؒ نے اپنی وفات سے صرف ایک ماہ پہلے بھی عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے مسائل کا حل صرف ایک ہے۔ یونینسٹ پارٹی توڑ دی جائے۔

لیگ جو متحدہ محاذ قائم کر رہی ہے سب اس میں شامل ہو جائیں، سب اس کو تقویت پہنچائیں۔ مسلمانوں کی زمامِ قیادت صرف لیگ کے ہاتھ میں رہے۔ ہمیں جناح سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا۔ جناح ہی ہماری قیادت کا اہل ہے۔''

علامہ اقبالؒ کے قائد اعظمؒ کے حوالے سے درج بالا گراں قدر خیالات پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ عقل کے جن اندھوں کو قیام پاکستان میں علامہ اقبالؒ کا کردار نظر نہیں آتا انھیں علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں آئینہ دکھایا جائے۔

کچھ افراد یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ تو پوری عالم اسلام کی بات کرتے تھے لہٰذا اگر انھیں تصور پاکستان کا خالق قرار دیا جائے گا تو یہ انھیں پاکستان تک محدود کرنے کی کوشش ہے۔ علامہ اقبالؒ صرف تصور پاکستان کے خالق ہی نہیں تھے بلکہ قیام پاکستان کی عملی جدوجہد سے بھی انھیں جو گہری دلچسپی تھی۔ اسی وجہ سے وہ قوم کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی دعوت دے رہے تھے اور قائد اعظمؒ کی قیادت کو وہ تحریک پاکستان کے لیے ہی سب سے موزوں قرار دے رہے تھے۔ قیام پاکستان کے لیے علامہ اقبالؒ کی فکر مندی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علامہ اقبالؒ حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر مسلمان کے اتحاد کے پیغام سے دستبردار ہو گئے تھے۔

کیا پاکستان نہ بنا کر عالم اسلام کو متحد کیا جا سکتا تھا؟ اگر برصغیر کے مسلمان انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی میں چلے جاتے تو کیا وہ اس صورت میں عالم اسلام کے اتحاد کے لیے کوئی کردار ادا کر سکتے تھے؟ علامہ اقبالؒ کا تعلق خود جسے خطے کے ساتھ تھا کیا وہ وہاں کے مسلمانوں کو محکوم دیکھنا چاہتے تھے۔ علامہ اقبالؒ

فرماتے ہیں:

محکوم کا دل مُردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربناک
ممکن نہیں کہ محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

علامہ اقبالؒ جو محکومی کی ہر صورت کے خلاف تھے اور جو محکوموں کو مردہ دل قرار دیتے تھے وہ برصغیر کے مسلمانوں کی محکومی کو کیوں کر گوارا کر سکتے تھے۔ وہ مسلمانانِ ہند کی محکومی کو ختم کرنے کے لیے ہی مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحدہ محاذ کی تشکیل کے داعی تھے اور اسی کے لیے سب کو جناح کے ہاتھ مضبوط کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔

غلام دستگیر رشید کی مرتب کردہ کتاب ''آثارِ اقبال'' میں قائد اعظمؒ سے متعلق علامہ اقبالؒ کے یہ تاریخی خیالات شائع ہوئے ہیں:

''جناح کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے جو آج تک ہندوستان کے کسی مسلمان میں مجھے نظر نہیں آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ وہ خوبی کیا ہے تو آپ نے انگریزی میں فرمایا:

He is incorruptible and unpurchaseable

قائد اعظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کو جمع ہونے کی دعوت بھی علامہ اقبالؒ غالباً قائد کے انہی اوصاف کی وجہ سے دے رہے تھے کہ قائد اعظمؒ کو نہ تو خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی قائد اعظمؒ کو کوئی بدعنوانی پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اس لیے برصغیر کے مسلمانوں کا مستقبل قائد اعظمؒ کے ہاتھوں میں ہی محفوظ ہے۔

ماہنامہ ہلال کے دسمبر 1973ء کے شمارے میں عبدالرحیم خاکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ انھوں نے اپریل 1936ء میں علامہ اقبالؒ سے ہونے والی اپنی ایک ملاقات کا احوال تحریر کیا ہے۔ عبدالرحمٰن خاکی لکھتے ہیں حضرت علامہ اقبالؒ نے ہمیں فرمایا:

''میں اپنی قوم کو خودی کا جو درس دے رہا ہوں اس کا صحیح مظہر محمد علی جناح ہے۔ یہ انگریزی ماحول اور تہذیب کا پروردہ شخص بڑے ہی کام کا ہے۔ زبان اس کے دل کی رفیق ہے۔ حق بات کہنے میں اسے کوئی باک نہیں۔ قوم کی رہنمائی اسے سونپ دی جائے تو بگڑی بن سکتی ہے۔ مسلم قوم کا نجات دہندہ ہونے کی ساری صفات اس میں ہیں۔''

1936ء سے لے کر 1938ء تک مختلف مواقع پر علامہ اقبالؒ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد علی جناحؒ میں مسلمان قوم کے نجات دہندہ ہونے کی تمام صفات موجود ہیں اور قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ کی کوششوں کے بعد ہی مسلمانوں کی قیادت کے لیے دوبارہ آمادہ ہوئے اور پھر اپنی تاریخ ساز جدوجہد سے پاکستان کا قیام ممکن بنایا۔ پھر بھی اگر کوئی اقبال دشمن یہ کہتا ہے کہ پاکستان بنانے میں علامہ اقبالؒ کا کوئی عملی حصہ نہیں تو میرے نزدیک وہ تحریک پاکستان کی تاریخ سے یکسر بے خبر ہے۔

............*

کیا سپریم کورٹ علامہ اقبالؒ کی توہین کا نوٹس لے گی؟

ایک سراپا خرافات خاتون ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے ہر اس آرٹیکل کو خرافات قرار دے رہی تھی جس آرٹیکل میں اسلام یا اسلامی نظریۂ حیات کا ذکر آتا ہے۔ یہ خاتون اس مٹھی بھر نام نہاد دانشوروں کا زنانہ ماڈل تھی جو دن رات انڈیا کے ایجنڈا کو آگے بڑھاتے ہوئے پاکستان کی اساس نظریۂ پاکستان اور بانیانِ پاکستان کے افکار و تعلیمات کا چہرہ مسخ کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان تنخواہ دار جھوٹے دانشوروں کو نہ تو قیام پاکستان کی بنیاد یعنی اسلام ہضم ہوتا ہے اور نہ ہی انھیں قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے افکار کی غلط تشریح سے فرصت ملتی ہے۔

جس خاتون کے انٹرویو کا میں حوالہ دے رہا ہوں اس نے تو پاکستان کی بنیادوں سے علامہ اقبالؒ کی فکر انگیز تعلیمات کا رشتہ منقطع کرنے کے لیے اس حقیقت پر ہی کلہاڑا چلا دیا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے تصور پاکستان پیش کیا تھا۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔ ایک دفعہ پہلے بھی میں اپنے کسی کالم میں ذکر کر چکا ہوں کہ پڑھے لکھے ہونے کے دعویدار کچھ ''جاہلوں'' سے بھی میں سن چکا ہوں کہ علامہ اقبالؒ تصور پاکستان کے خالق نہیں تھے۔ بعض گمراہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خطبۂ الٰہ آباد کے بعد قیام پاکستان میں علامہ اقبالؒ کا کوئی کردار نہیں تھا یعنی انڈیا میں مسلمانوں کی الگ مملکت کے قیام

سے علامہ اقبالؒ کو کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ علامہ اقبالؒ 21 اپریل 1938ء کو انتقال فرما گئے تھے۔

1943ء میں لاہور کے ایک مشہور پبلشر نے ''اقبال کے خطوط بنام جناح'' انگریزی زبان میں شائع کی تھی۔ اس مختصر کتاب جس میں مئی 1936ء سے لے کر نومبر 1937ء تک کے علامہ اقبالؒ کے خطوط تھے کا دیباچہ خود قائد اعظمؒ نے تحریر کیا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظمؒ نے قیام پاکستان کے لیے علامہ اقبالؒ کے کردار کی کن الفاظ میں تعریف کی ہے:

''اقبال نے مسلم انڈیا کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار نہایت واضح الفاظ میں کیا ہے۔ ان کے خیالات مجموعی طور پر میرے تصورات سے ہم آہنگ تھے۔ ہندوستان کو جو آئینی مسائل درپیش تھے ان کے گہرے مطالعہ اور غور خوض کے بعد میں بھی آخر ان ہی نتائج تک پہنچا جن تک سر محمد اقبال پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اور یہ خیالات وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانان ہند کے متحدہ عزم کی صورت میں ظاہر ہوئے اور آل انڈیا مسلم لیگ کی اس قرارداد کی صورت میں ڈھل گئے جو 23 مارچ 1940ء کو منظور ہوئی اور جسے اب قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''

علامہ اقبالؒ کے خیالات سے لے کر قرارداد پاکستان تک یہ وہ مبارک سفر ہے جس کی روداد قائد اعظمؒ نے اپنے قلم سے تحریر کی۔ قائد اعظمؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری سید مطلوب الحسن نے اپنی کتاب میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد قائد اعظمؒ کی گفتگو کے حوالے سے لکھا ہے کہ قائد اعظمؒ نے فرمایا کہ:

''آج اقبال ہم میں موجود نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ جان کر بہت

خوش ہوتے کہ ہم نے بالکل ویسا ہی کیا ہے جس کی وہ ہم سے خواہش رکھتے تھے۔''

21 اپریل 1938ء کو جب علامہ اقبالؒ انتقال فرما گئے تو یہ خبر قائداعظمؒ تک کلکتہ میں پہنچی جہاں وہ ایک تقریب میں موجود تھے۔ قائداعظمؒ نے یہ غمناک خبر سنتے ہی فی الفور عظیم فلسفی، شاعر اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے حوالے سے اپنے خطاب میں جو کہا اس کی بھی جھلک دیکھ لیجیے:

''علامہ اقبال بلاشبہ تمام ادوار کے عظیم ترین شاعر، فلسفی اور پیامبر انسانیت تھے۔ انہوں نے ملکی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور اسلامی دنیا کی ذہنی اور ثقافتی تشکیل نو میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ایک ذاتی دوست، فلاسفر اور راہنما ہونے کے ناطے میرے لیے وہ روحانی فیضان کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔ بحیثیت صدر پنجاب مسلم لیگ وہ علالت (علامہ اقبالؒ کے آخری دو سال) کے باوجود دنیا کی مخالفت کے آگے ایک مضبوط چٹان کی طرح لیگ کے جھنڈے کو تھامے رہے اور جب شدید علالت کے باعث انہیں لیگ کی صدارت سے الگ ہونا پڑا تو انہیں لیگ کا سرپرست منتخب کر لیا گیا۔ آج اگر پنجاب اور بنگال کے مسلمان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہو چکے ہیں تو اس کامیابی میں علامہ اقبالؒ کا سب سے بڑا حصہ ہے۔''

قائداعظمؒ آل انڈیا مسلم لیگ کی تمام تر کامیابیوں اور برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری میں علامہ اقبالؒ کے سب سے زیادہ حصے کی گواہی دے رہے ہیں، قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ کے فلسفہ اور تعلیمات کو اپنے لیے روحانی فیضان کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دے رہے ہیں۔ ایک اور موقع پر قائداعظمؒ نے کہا کہ جب تک اسلام زندہ ہے اس

وقت تک علامہ اقبالؒ کا نام زندہ رہے گا۔ لیکن حیرت ہے کہ بعض مجہول اور نامعقول حضرات اور اب ایک خاتون ایسی ایسی دلخراش خرافات کو انتہائی بے شرمی سے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پھیلا رہے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کا قیام پاکستان میں کوئی کردار نہیں تھا یا تصور پاکستان کے خالق علامہ اقبالؒ نہیں ہیں۔

آخر میں اقبال دشمنوں کا منہ بند کرنے کے لیے قائداعظمؒ کی تقریر کا وہ اقتباس بھی پڑھ لیجیے جو قائداعظمؒ نے 2 مارچ 1941ء میں یوم اقبال کی ایک تقریب میں کی تھی۔ قائداعظمؒ کے یہ خیالات اقبال دشمنوں کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ بھی ہے:

"علامہ اقبالؒ ایک بڑے ادیب، بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم بھی تھے لیکن اس حقیقت کو میں ہی سمجھتا ہوں کہ وہ بہت بڑے سیاست دان بھی تھے۔ انہوں نے آپ کے سامنے ایک واضح اور صحیح راستہ رکھ دیا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوسکتا۔ اس زمانے میں اقبال سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس امر پر فخر ہے کہ ان کی قیادت میں مجھے ایک سپاہی کے طور پر کام کرنے کا موقع مل چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ مخلص ساتھی اور اسلام کا شیدائی اور کوئی نہیں دیکھا۔ وہ جس بات کو صحیح خیال کرتے وہ یقیناً صحیح ہوتی تھی، اس پر وہ چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے۔"

قائداعظمؒ برصغیر کے مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ وہ اس صدی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سب سے بڑے محسن اور پاکستان کے بانی تھے۔ اگر قائداعظمؒ جیسا عظیم سیاست دان اور مدبر یہ کہتا ہے کہ مجھے علامہ اقبالؒ کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے پر فخر ہے تو علامہ اقبالؒ کا قیام پاکستان کے لیے خدمات کا جو بلند مقام ہے اس کا اندازہ ایک بچہ بھی کرسکتا ہے۔ لعنت ہو ایسی سوچ پر

کہ جو ایسی بے ہودہ باتوں کو اپنی ''دانشوری'' سمجھتے ہیں کہ قیام پاکستان میں علامہ اقبالؒ کا کوئی کردار نہیں تھا۔ میں انتہائی ادب سے چیف جسٹس آف پاکستان کی خدمات میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک اداکارہ سے شراب کی دو بوتلیں برآمد ہونے پر اگر از خود نوٹس لے سکتے ہیں اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے خلاف بھی درست طور پر توہین عدالت کی کارروائی جاری وساری ہے تو کیا علامہ اقبالؒ، قائد اعظمؒ یا نظریۂ پاکستان کے خلاف لغویات اور بے ہودگی کے ٹی وی چینل پر اظہار کے خلاف سپریم کورٹ از خود نوٹس نہیں لے سکتی۔ کیا توہین عدالت سے بھی زیادہ حساس مسئلہ توہین اقبال نہیں ہے۔

نوٹ:

26 اپریل کو سپریم کورٹ نے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو توہین عدالت کا مجرم قرار دے دیا ہے۔ اور عدالت برخاست ہونے تک کی سزا دی گئی۔ توہین عدالت کا مجرم قرار پانے پر یوسف رضا گیلانی کا قومی اسمبلی کا ممبر اور وزیر اعظم رہنے کا جواز بھی ختم ہو گیا ہے۔

............*

فرموداتِ

قائداعظمؒ

قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام صرف مذہبی اور اخلاقی فرائض تک محدود نہیں۔ گبن کے بقول اوقیانوس سے گنگا تک قرآن کو دینیات ہی نہیں بلکہ شہری (سول) اور تعزیری قوانین کی بنیاد بھی سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ قوانین بھی جن سے نوعِ انسان کے اعمال اور حقوق کی حد بندی ہے وہ بھی خدا کے کبھی نہ تبدیل ہونے والے احکام سے متعین ہوتی ہے۔

سوائے جہلا کے ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطہ حیات۔ مذہبی رسوم ہوں یا روز مرہ زندگی کے معاملات۔ جسم کی صحت کا مسئلہ ہو یا روح کی نجات کا۔ اجتماعیت سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک۔ دنیا میں مجرموں سزا کا سوال ہو یا آخرت میں سزا و جزا کا۔ ان تمام معاملات کے لیے قرآن میں احکام موجود ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن حکیم کا نسخہ ہر مسلمان کے پاس ہونا چاہیے۔

(پیام عید۔ 1945)

قرآن مجید ــــــ ہمارا آخری اور قطعی راہبر

اس وقت میدان سیاست میں ہندو اور مسلمانوں کی جنگ جاری ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا۔ علم غیب خدا کے پاس ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی راہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پر کار بند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت بلکہ کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روما کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔

(حیدر آباد دکن 11 جولائی 1946ء)

آپ میں سے ہر ایک پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کا عہد کرے

میرا آپ سے صرف ایک تقاضہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک جس کے پاس میرا پیغام پہنچے وہ اپنے آپ سے یہ پختہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اندرونی اور بیرونی امن کی حامل عظیم مملکت بنانے کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ آپ اپنی ہمت بلند رکھیں اور موت سے نہ ڈریں۔ کیوں کہ ہمارا دین ہمیں موت کے لیے ہمیشہ تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔ پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لیے ہمیں موت کا بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مسلمان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی نجات نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک نیک مقصد کی خاطر جان دے کر شہادت کے بلند رتبہ پر فائز ہو جائے۔

(لاہور، 30 اکتوبر 1947ء)

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر پیغام

میں آج آپ کو اس کے سوا کیا پیغام دے سکتا ہوں کہ ساری دنیا میں مسلمانوں کو اسلام کی بہترین روایات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ وہ دین جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملا ہے۔ اسلام اس دنیا میں آیا تا کہ یہاں جمہوریت، امن اور انصاف قائم کرے اور مظلوموں کے حقوق کا تحفظ کرے۔ یہ بنی نوع انسان کے لیے امیر اور غریب، بلند اور پست میں مساوات کا پیغام لایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کا بیشتر حصہ نظریات کی خاطر لڑنے میں صرف کیا۔ پھر کیا یہ ہر مسلمان کا فریضہ نہیں ہے۔ کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو وہ ان عظیم نظریات اور اسلام کی شاندار روایات کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی بہترین کوشش صرف کر دے۔ انسانوں میں مساوات قائم کرنے، انسان کے جائز حقوق کے حصول اور جمہوریت کے قیام کے لیے لڑے۔ پاکستان ہمارا جائز مطالبہ اور پیدائشی حق ہے۔ ہم باور کرتے ہیں کہ یہ جمہوری اصولوں اور انصاف کے عین مطابق ہے۔ ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اس کے لیے لڑیں گے اور ان شاء اللہ کامیابی ہماری ہوگی۔

(5 فروری 1945ء)

یہ ہے بنیاد پاکستان کی

پاکستان ہندوؤں کے کردار یا ان کی بد کرداری کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ تو ہمیشہ سے موجود تھا صرف انہیں (مسلمان قوم) اس کا احساس نہیں تھا۔
جس دن ہند میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا اسی لمحے پاکستان کے قیام کا آغاز ہو گیا۔ جونہی ایک ہندو نے اسلام قبول کیا اسے نہ صرف مذہبی اعتبار سے بلکہ معاشرتی، ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی مردود قرار دے دیا گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اسلام کی طرف سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی شناخت اور انفرادیت کسی اجنبی معاشرے میں ضم نہ کریں۔ زمانہ قدیم سے عہد بہ عہد ہندو، ہندو رہے اور مسلمان، مسلمان۔ اور انہوں نے اپنی تہذیبوں کو ایک دوسرے میں ختم نہیں کیا۔ یہ ہے بنیاد پاکستان کی۔

(دی ڈان 10 مارچ 1944ء)

پاکستان کا قیام بذاتِ خود مقصد نہیں تھا

جس پاکستان کے لیے ہم گزشتہ دس برس سے کوشاں تھے اللہ کے فضل و کرم سے آج ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن اپنی مملکت کا قیام دراصل ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں۔ ہمارا تصور یہ تھا کہ ہماری ایک مملکت ہونی چاہیے جس میں آزاد قوم کی حیثیت سے سانس لے سکیں۔ جسے ہم اپنی صوابدید اور ثقافت کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول جاری و ساری ہوں۔

(11 اکتوبر 1947ء)

قرآنِ کریم اور حدیث رسولؐ سے راہنمائی

آیئے ہم واپس چلیں اور اپنی کتاب مقدس قرآنِ کریم، حدیث اور اسلام کی عظیم روایات سے رجوع کریں۔ جن میں ہماری راہنمائی کے لیے ہر چیز موجود ہے۔ ہم ان کی درست طور پر تاویل و تعبیر کریں اور اپنی عظیم کتاب مقدس کا اتباع کریں۔

(دی ڈان 6 مارچ 1946ء)

پاکستان کا آئین

مجلس دستور ساز کو ابھی پاکستان کا دستور مرتب کرنا ہے۔ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہوگی لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا۔ جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔ آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہوسکتا ہے جس طرح 13 سو سال پہلے ہوسکتا تھا۔ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں اور اس حوالے سے دستور ساز اسمبلی کے ارکان اپنی ذمہ داریوں سے باخبر ہیں۔

(امریکہ کے عوام سے نشری خطاب 7 فروری 1948ء)

اشتراکیت، بالشوزم، سیکولرازم نامنظور

اسلامی حکومت میں حکمرانی قرآن کے اصولوں کی ہوتی ہے

اشتراکیت، بالشوزم یا کئی اور ایسے سیاسی ومعاشی مسلک در اصل اسلام اور اس کے اقتصادی نظام کی بھونڈی (بھدی اور ناموزوں) سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط، تناسب اور توازن نہیں ہے۔

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ اس لیے تعمیل کا مرکز قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ حکیم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔

(رہبر دکن 19 اگست 1941)

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا مرتب کردہ آئین شرعی ہوگا

قائد اعظمؒ نے صوبہ سرحد کے کانگرسی لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ پٹھانستان کے مطالبہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے سرحدی مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ وہ پہلے مسلمان اور پھر پٹھان ہیں۔ اور اگر صوبۂ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ قائد اعظمؒ نے اس شرم ناک پراپیگنڈا کی پرزور تردید کی کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا مرتب کردہ آئین شرعی نہیں ہوگا۔

خان برادران (سرحدی گاندھی عبدالغفار خاں اور اس کا بھائی) کا یہ کہنا کہ پٹھانستان جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کی اساس پر بنایا جائے گا۔ اس طرح دراصل یہ الزام تراشی مقصود ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی جو مسلمانوں کی بھاری اکثریت پر مشتمل ہوگی جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصورات کو نظر انداز کر دے گی۔ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ اس میں معقولیت کی رمق بھی نہیں ہے۔

(پیسہ اخبار 10 جولائی 1947ء)

ہمارے پیغمبر آخر الزماںؐ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں

جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر چند الٰہی قوانین کی تاثیر نے عربوں کی مُردہ قوم کو از سرِ نو زندگی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا اسی طرح آج بھی ان قوانین کی برکت سے غلام ہندوستان کی قسمت بدلی جا سکتی ہے۔ اسلامی قوانین آج بھی ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مصائب کو حل کر سکتے ہیں۔

حضور نبی کریمؐ نے ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جس نے دہلی سے غرناطہ تک زندگی کے ہر شعبہ میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کر دیا اور روحانی، ذہنی، سوشل، سیاسی اور اقتصادی پستیوں کو چشمِ زدن میں رفعت سے آشنا کر دیا۔ آج بھی حضور رحمۃ اللعالمینؐ کی تعلیم پکار پکار کر ہمیں اپنی طرف بلا رہی ہے۔ کاش کہ ہم اس آواز کو سن سکیں۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے دنیا کے مختلف حصوں اور مختلف وقتوں کے لیے انبیاء کرام تشریف لاتے رہے۔ اُن کی تعلیم عالمگیر نہیں تھی اور عالمگیر ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ کیوں کہ انسانیت کو ارتقائی منازل طے کرنے میں ابھی بہت وقت درکار تھا۔ بالآخر ہمارے ہادیٔ عالمؐ کا ورودِ مسعود اس وقت ہوا جب دنیا ایک ایسی منزل تک پہنچ چکی تھی جہاں سے وہ حقائق و معارف کے تمام امور کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اسی لیے ہمارے پیغمبر آخر الزماںؐ کو رحمۃ اللعالمین کے معزز لقب سے خالقِ اکبر نے نوازا۔

(قائداعظمؒ کی تقریرِ سیرت سے اقتباس)

میری زندگی کی واحد تمنا

میرا ضمیر گواہی دے کہ میں نے مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا

میں نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد و سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔

میں آپ سے اس کی داد اور حوصلہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا اپنا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد اور حمایت کا فرض بجا لائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔

(انقلاب لاہور 22 اکتوبر 1939ء)

عظیم الشان کتاب قرآنِ مجید میں معاشرت، سیاست، معیشت غرض زندگی کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی موجود ہے

جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورہ کے مطابق میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبتوں اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید تصور نہیں ہے۔

میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا اور نہ ہی مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے تیئں کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں اسلامی زندگی سے متعلق ہدایات کے باب میں زندگی کا روحانی پہلو، معاشرت، سیاست، معیشت غرض انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو قرآنِ مجید کی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔

قرآن کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلمانوں کے لیے آئینی حقوق کا جو تصور ہے اس سے بہتر کسی اور نظام میں ممکن نہیں۔

(رہبر دکن 19 اگست 1941ء)

قائداعظمؒ قرآن پر ماتھا رکھ کر رو پڑتے ہیں

قائد اعظمؒ، پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے سرحد تشریف لائے تو میں گورنر ہاؤس پشاور میں بٹلر تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے۔ میری ڈیوٹی ان کے کمرے پر تھی۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھے خوب کام کر رہے ہیں۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد انھوں نے آرام نہیں کیا۔ فائل ورک میں مصروف رہے۔ جب کام کرتے کرتے تھک جاتے تو کمرے میں ادھر اُدھر جاتے۔

میں نے خود دیکھا کہ انگیٹھی (کارنس) پر رحل میں قرآن پڑا ہے، اس پر ماتھا رکھ کر رو پڑتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر قرآنِ حکیم کی طرف آتے ہیں، اس کی کسی آیت کا مطالعہ کرنے کے بعد پھر چلنے لگتے ہیں۔ آیت پڑھ کر ٹہلنا یعنی وہ غور کر رہے تھے کہ قرآن کہتا کیا ہے۔ اسی دوران میں وہ کوئی دعا بھی مانگ رہے تھے۔

(عبدالرشید بٹلر سے منیر احمد منیر کا انٹرویو، دی گریٹ لیڈر، جلد اوّل، صفحہ:239)

مسلمانوں کے پاس مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن ہے

مسلمانوں کے لیے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآنِ پاک ہے۔ قرآنِ پاک ہی میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانون الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلام الٰہی کی تعمیل ہے۔

قرآنِ پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے آزادی، مساوات اور اخوت۔ بہ حیثیت مسلمان میں بھی ان ہی تین چیزوں کے حصول کا متمنی ہوں۔ تعلیم قرآنی ہی میں ہماری نجات ہے اور اسی کے ذریعے ہم ترقی کے تمام مدارج طے کر سکتے ہیں۔

(انقلاب لاہور 12 جون 1938ء)

اسلامی کے غیر فانی اصول ہمارے

اقتصادی نظام کی بنیاد ہوں گے

پاکستان میں کسی ایک طبقے کو لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری کی اجازت نہیں ہو گی۔ پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کو ترقی کے برابر مواقع میسر ہوں گے۔ پاکستان امیروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوابوں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے نہیں بنایا گیا۔ پاکستان غریبوں کی قربانیوں سے بنا ہے۔ پاکستان غریبوں کا ملک ہے اور اس پر غریبوں ہی کو حکومت کا حق حاصل ہے۔

پاکستان میں ہر شخص کا معیار زندگی اتنا بلند کر دیا جائے گا کہ غریب اور امیر میں کوئی تفاوت باقی نہیں رہنے گا۔ پاکستان کا اقتصادی نظام اسلام کے غیر فانی اصولوں پر مرتب کیا جائے گا یعنی اُن اصولوں پر جنھوں نے غلاموں کو تخت وتاج کا مالک بنا دیا۔

(تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، صفحہ:231)

پاکستان اللہ کا انعامِ عظیم اور محمد مصطفیٰ ﷺ کا روحانی فیضان ہے

یہ مشیت ایزدی ہے۔ یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاسِ ہند سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی۔ آج وہ قوم آزاد اور خود مختار ہے۔ اس کا اپنا ایک ملک ہے۔ اپنا جھنڈا ہے، اپنی حکومت، اپنی کرنسی اور اپنا دستورِ حیات ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا کوئی اور انعام ہوسکتا ہے؟ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خدا نے رسول اکرم ﷺ سے کیا تھا کہ اگر تیری امت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کرلیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان خداوندی تحفہ ہے اور اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد اور عورت، بچے اور بوڑھے اور جوان پر فرض ہے۔

(نعرۂ حق مؤلف حمید انور صفحہ:153)

میں اسلام کا ایک ادنیٰ سپاہی اور خدمت گزار ہوں

میں نے مسلمانوں اور پاکستان کی جو خدمت کی ہے وہ اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی اور خدمت گزار کی حیثیت سے کی ہے، اب پاکستان کو دنیا کی عظیم قوم اور ترقی یافتہ ملک بنانے کے لیے آپ میرے ساتھ مل کر جدوجہد کریں۔

میری آرزو ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں ایک ایسی مملکت بن جائے کہ ایک بار پھر دنیا کے سامنے فاروق اعظمؓ کے سنہری دور کی تصویر کھنچ جائے۔ خدا میری اس آرزو کو پورا کرے۔ (تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، صفحہ:231)

ہماری نجات اسوۂ رسولؐ پر عمل کرنے میں ہے

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنے میں ہے جو ہمیں قانون عطاء کرنے والے ہمارے عظیم پیغمبر ﷺ نے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہیے۔ اسلام کا یہ پیغام ہے کہ مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی مشوروں سے کیا کرو۔

(بلوچستان 14 فروری 1948ء)

کوئی قادیانی مسلم لیگ کا رکن نہیں بن سکتا

قائداعظمؒ نے 10 جون 1944ء کو سری نگر سے حسب ذیل بیان اخبارات کے لیے جاری کیا:

''میں نے دیکھا ہے کہ اخبارات کے بعض حلقوں میں اکبرعلی ایم ایل اے کے ساتھ میری ملاقات کے ضمن میں بہت سے الجھاؤ پیدا کیے جا رہے ہیں اور غلط ترجمانی ہو رہی ہے۔ میں نے اپنی ملاقات میں اُن پر واضح کر دیا تھا کہ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کا تعلق ہے ہم اپنے دستور کے تابع ہیں۔ مسلم لیگ کے دستور کے مطابق اس کی پرائمری شاخ کے لیے رکنیت کے امیدوار کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اس کا برطانوی ہند کا باشندہ ہونا اور 18 سال عمر ہونا بھی لازمی شرط ہے۔''

''یہ بالکل غلط ہے کہ میں نے ناظر امور عامہ خارجہ، قادیان کے خط موصول ہونے کے بعد کسی ایسی بات سے اتفاق کیا ہے کہ پارٹی دستور سے انحراف کرنا میرے اختیار میں ہے۔ میں نے تو مئی 1944ء کے خط میں اپنے مؤقف کی وضاحت کر دی تھی۔''

(دی ڈان، 11 جون 1944ء)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس جماعت کا کوئی غیر مسلم، کوئی قادیانی ممبر نہیں بن سکتا

تھا۔ کیا وہ جماعت قائد اعظمؒ کی قیادت میں ایک سیکولر ریاست کی تشکیل کے لیے پاکستان حاصل کرنا چاہتی تھی یا اسلامی قوانین کی حکمرانی کے لیے۔ اس کا جواب قائد اعظمؒ کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

''ہمارا دین، ہمارا تمدن اور اسلامی تصورات حصولِ آزادی کے لیے ہماری قوتِ محرکہ ہیں۔''

(پشاور 20 نومبر 1945ء)

جنرل کیانی کو اپنے باپ کا علم اَزبر ہے

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

جنرل کیانی نے جی ایچ کیو میں یوم شہدا کی تیسری سالانہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایک بار پھر نظریۂ پاکستان سے اپنی عقیدت کا اظہار غیر مبہم الفاظ میں کیا ہے۔ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کا محافظِ اعلیٰ جب یہ کہتا ہے کہ نظریۂ پاکستان کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا تو مجھے بے اختیار علامہ اقبالؒ کا درج بالا شعر یاد آ جاتا ہے۔

جنرل اشفاق پرویز کیانی اس دھرتی اور بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے وہ قابل فخر سپوت ہیں جنھیں اپنے باپ کا نظریاتی عِلم ازبر ہے۔ اور پھر جنرل کیانی کا حسنِ انتخاب دیکھئے کہ وہ یومِ شہدا پر شہیدوں کے وارثوں، والدین اور بچوں سے خطاب کرتے ہوئے جب یہ کہتے ہیں کہ جب تک نظریۂ پاکستان پر ہمارا یقین پختہ نہیں ہوتا اُس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس یقین میں شک وشبہ پیدا کرنے سے ملک کمزور ہو گا تو جنرل کیانی دراصل پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کی خاطر شہید ہونے والوں کے والدین اور بچوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو تم جن

عظیم شہدا کے وارث ہو ان کی قربانیاں صرف ایک ملک کی خاطر نہیں تھیں، بلکہ لا الہ الا اللہ کے لیے بھی تھیں۔ پاکستان کے شہید دین کی سرفرازی کے شہید بھی ہیں۔ جس طرح خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ۔ اسی طرح شہیدانِ پاکستان کی ترکیب بھی منفرد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جنرل کیانی جی ایچ کیو میں پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے محافظوں کے درمیان کھڑے ہو کر ہر سال یہ پیغام دہرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر نظریۂ پاکستان پر ہمارا ایمان پختہ نہیں ہوگا تو ہم پاکستان کے دفاعی تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ نظریۂ پاکستان کو پاکستان کا حصار سمجھنے والے جنرل کیانی کو یہ بھی علم ہے کہ جب وہ نظریۂ پاکستان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو صحافتی مسخروں کے ایک مختصر ٹولے کو اس سے شدید تکلیف پہنچتی ہے، لیکن جنرل کیانی نے نظریۂ پاکستان کے الفاظ سُن کر ناگواری کا اظہار کرنے والے انڈین لابی کے زیر اثر ''دانشوروں'' کو دوٹوک انداز میں یہ بتا دیا ہے کہ جب تم نظریۂ پاکستان کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مذموم کوششیں کرتے ہو تو درحقیقت تم پاکستان کو کمزور کرنے کے ملک دشمن ایجنڈے پر عمل کرتے ہو۔

ایک صحافتی مچھندر اکثر اپنے کالموں میں یاوہ گوئی کرتے ہوئے یہ لکھتا رہتا ہے کہ نظریۂ پاکستان 1969ء کے قریب جی ایچ کیو نے تخلیق کیا تھا۔ اس طرح کے صحافتی مسخرے یہ بھول جاتے ہیں کہ قائداعظم نے 1938ء میں ایک تقریب میں مسلم لیگ کے پرچم کو لہرانے کی رسم ادا کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ:

''جو جھنڈا آج لہرایا گیا ہے یہ نیا جھنڈا نہیں ہے بلکہ تیرہ سو برس پہلے کا اسلامی جھنڈا ہے۔ جس کے نیچے مسلمانوں نے دنیا میں انصاف اور

مساوات کی حکومت قائم کی تھی۔ مسلم لیگ اس اسلامی جھنڈے کی عزت برقرار رکھنے کے لیے میدان میں آئی ہے۔"

قائداعظمؒ کے ہاتھ میں یہی اسلامی جھنڈا تھا اور بانئ پاکستان نے قراردادِ لاہور کی منظوری سے بھی دو سال پہلے میمن چیمبر آف کامرس سے خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

"مسلمانوں کو پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے۔ اور وہ قرآنِ پاک ہے۔ قرآنِ پاک ہی میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانونِ الٰہیہ پر ایمان ہے اور میں اسی کلامِ الٰہی کی تعمیل میں آزادی کا طلب گار ہوں۔"

غور فرمایئے ان خیالات کا اظہار بانئ پاکستان نے جون 1938ء میں کیا۔ قائد اعظمؒ کا یہ فرمان کہ میں کلامِ الٰہی کی تعمیل یعنی قرآنِ کریم کے حکم کی بجا آوری کے لیے، قرآن پر عمل کرنے کے لیے آزادی کا طالب ہوں۔ قائداعظمؒ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اخوت، مساوات اور آزادی کی تعلیم ہی قرآنِ پاک نے دی ہے اور میں بحیثیت مسلمان ان ہی تین چیزوں آزادی، اخوت اور مساوات کے حصول کا متمنی ہوں۔

یہ ہے ہمارا نظریۂ پاکستان جس کی تعلیم ہمیں خود قائداعظم نے قیامِ پاکستان سے 9سال پہلے دی تھی۔ جب نہ پاکستان کا وجود تھا، نہ ہی پاکستان کی فوج تھی اور نہ ہی پاکستان کا جی ایچ کیوں تھا۔ یہی قائداعظمؒ کی وہ تعلیم ہے جو جنرل کیانی کو بھی یاد ہے اور وہ یہ تعلیم اپنی زیرِ کمان فوج کو اور اس کے ساتھ ساتھ نظریۂ پاکستان کی دشمنوں کو بھی یاد کرواتے رہتے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے جی ایچ کیوں میں اور انڈیا کے جی ایچ کیو میں امتیاز بھی یہی ہے کہ ہمارے جغرافیائی سرحدوں کے محافظ اعلیٰ کو قائد اعظمؒ کے نظریۂ پاکستان کا بھی پوری طرح شعور ہے۔ ہمارے سپاہی اور ہمارا چیف آف آرمی سٹاف ہونا بھی ایسا ہی چاہیے جس کا یہ ایمان ہو کہ نظریۂ پاکستان کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔

یہ نظریۂ پاکستان کی برکت ہے اور یہ نظریۂ پاکستان کے بخشے ہوئے شعور کا نتیجہ ہے کہ جنرل کیانی نے یوم شہدا کی تقریب میں اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ:

''آئینِ پاکستان میں واضح طور پر تمام قومی اداروں کی حدود اور فرائض کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم سب اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کو اس انداز سے ادا کریں جس سے ملک وقوم کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو۔''

قائد اعظمؒ نے بھی افواجِ پاکستان کو یہی حکم دیا تھا جس کا اظہار جنرل کیانی نے اپنے خطاب میں کیا ہے۔ کاش جنرل کیانی کی طرح ہمارے سول حکمرانوں کو بھی اس حقیقت کا احساس ہو جائے کہ اُن کے ذمہ دارانہ طرزِ عمل ہی سے پاکستان کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

............*

آئینِ پاکستان اور نظریۂ پاکستان

آیئے آج جائزہ لیتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے مقاصد پر ایمان رکھتے ہوئے آئینِ پاکستان کو کس حد تک اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آئینِ پاکستان کا پہلا آرٹیکل ہی نظریۂ پاکستان کا آئینہ دار ہے جس میں پاکستان کا دستوری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ دستور کے دوسرے آرٹیکل میں یہ تحریر ہے کہ اسلام پاکستان کا ریاستی دین ہے۔ دستور کے اس آرٹیکل نے پاکستان کو سیکولر ریاست قرار دینے والوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔

جب ایک ملک کا State religion اسلام ہو، پھر اسے سیکولر نہیں کہا جا سکتا۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 2-A میں قرار داد مقاصد کو آئین کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے اب قرار داد مقاصد آئین کا دیباچہ نہیں بلکہ آئین کے دوسرے تمام آرٹیکلز کی طرح ایک لازمی جزو ہے۔ قرار دادِ مقاصد میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ اللہ رب العزت کے پاس ہے اور جو اختیار واقتدار مملکتِ پاکستان کی صورت میں ہمیں عطا ہوا ہے یہ تمام اختیارات عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کیے جائیں گے۔

قرار دادِ مقاصد میں یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن وسنت میں متعین کیے ہوئے اسلامی اصولوں اور تقاضوں کے مطابق نظم

وترتیب دینے کے قابل بنایا جائے گا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاکستان میں ہماری اجتماعی زندگی اور نظامِ حیات بھی قرآن وسنت کے تابع ہوگا۔ قرار دادِ مقاصد سیکولر سٹیٹ کے تصور کی مکمل نفی کر دیتی ہے اور قرار دادِ مقاصد بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس فرمان کے عین مطابق ہے کہ:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ اس لیے تعمیل کا مرکز قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ اسلامی حکومت میں حکمرانی قرآنی اصول اور احکام کی ہوتی ہے۔''

قرار دادِ مقاصد میں اگر اور کچھ بھی لکھا جاتا صرف قائداعظمؒ کا یہ فرمان تحریر کر دیا جاتا تو قیامِ پاکستان کے مقاصد کی مکمل تصویر کشی ہو جاتی۔ بہر حال قرار دادِ مقاصد میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ پاکستان کے عوام کے منتخب نمائندے قائداعظمؒ کے اس اعلامیہ کے وفادار رہیں گے کہ پاکستان سماجی انصاف کے اسلامی تصورات کی اساس پر قائم ایک جمہوری مملکت ہوگی۔ پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے تمام ارکان، وزیر اعظم، صدر مملکت، قومی اسمبلی کا اسپیکر اور سینٹ کا چیئر مین سب ہی یہ حلف اٹھانے کے پابند ہیں کہ:

''میں اسلامی نظریے کے تحفظ کے لیے بھر پور کوشش کروں گا جو قیامِ پاکستان کی اساس ہے۔''

آئینِ پاکستان میں آزادیٔ تقریر، آزادیٔ اظہار اور آزادیٔ صحافت کو ہر شہری کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے، لیکن یہ آزادی بھی اسلام کی عظمت کی خاطر معقول

پابندیوں سے مشروط ہے، یعنی اسلامی نظریہ جو پاکستان کی اساس ہے اُس پر حملے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جس طرح تحریر وتقریر اور صحافت کو ایسی آزادی نہیں دی جاسکتی جس سے پاکستان کی سلامتی اور دفاع متاثر ہو۔

صدر اور وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی آئینِ پاکستان کی وہ اسلامی دفعات ہیں جو پاکستان کے ایک اسلامی ریاست ہونے کی مضبوط شہادت ہیں۔ آئین میں مسلمان کی تعریف درج کر دی گئی ہے تاکہ کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے۔ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے لیے آئین میں اہلیت کے لیے جو لازمی شرائط رکھی گئی ہیں اُن شرائط کے مطابق اگر کوئی شخص اچھے کردار کا مالک نہیں ہے اور جس کی عمومی شہرت یہ ہے کہ وہ اسلامی احکامات کی پابندی نہیں کرتا۔ اگر وہ اسلامی تعلیمات کا معقول علم نہیں رکھتا، فرائضِ اسلام ادا نہیں کرتا اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تو وہ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل نہیں ہوگا۔ اسی طرح ممبر پارلیمنٹ بننے کے لیے یہ بھی ضروری شرط ہے کہ وہ شخص بیدار مغز، ایمان دار، متقی اور امین ہو اور وہ کسی اخلاقی پستی کا شکار نہ ہو اور کسی اخلاقی جرم یا جھوٹی گواہی دینے کے الزام میں سزا یافتہ نہ ہو۔

نظریۂ پاکستان کی مخالفت کرنے والا شخص بھی ممبر پارلیمنٹ بننے کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی ان شرائط اور پابندیوں کا صحیح طور پر خیال رکھا جائے اور آئین کی روح پر سختی سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ تحریک پاکستان کے مقاصد پورے نہ ہوں اور پاکستان اسلام کی عظمت رفتہ کا مرکز نہ بنے۔

آئین کے آرٹیکل 227 میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ موجودہ تمام قوانین کو قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی احکامات کے مطابق بنایا جائے گا اور نیا کوئی قانون اسلامی تعلیمات کے برعکس نہیں بنایا جاسکتا۔

آئین کے آرٹیکل 228 میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور کونسل کے ارکان کی اہلیت بیان کی گئی ہے۔ صدر، گورنر اور پارلیمنٹ اسلامی نظریاتی کونسل سے کسی بھی زیر تجویز قانون کے حوالے سے راہنمائی لے سکتی ہے کہ آیا یہ قانون اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے فرائض میں مندرجہ ذیل امور بھی شامل ہیں۔ یہ کہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے ایسی سفارشات مرتب کرنا جن پر عمل کر کے پاکستان کے مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو ہر اعتبار سے اسلام کے تصورات اور اصولوں کے مطابق بنا سکیں۔ یہ کہ موجودہ قوانین کا جائزہ لے کر ایسی تجاویز مرتب کرنا تا کہ یہ قوانین اسلامی احکامات کے مطابق ڈھل جائیں۔ آئین میں یہ پابندی بھی موجود ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی مرتب کردہ سفارشات کے مطابق دو سال کے اندر لازمی طور پر مناسب قانون سازی کی جائے گی۔

آئین کے آرٹیکل 230(4) ڈی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی حیثیت محض مشاورتی نہیں بلکہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے میں کونسل مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ پاکستان قوانین کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے سب سے اہم اور مؤثر ادارہ وفاقی شرعی عدالت ہے۔ یہ عدالت اگرچہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں معرض وجود میں آئی، لیکن وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے بعد سات مرتبہ مختلف اوقات میں جو قومی اسمبلیاں اور سینٹ منتخب ہوتے رہے۔ ان اسمبلیوں نے کبھی وفاقی شرعی عدالت کے آئینی اختیارات کو کم نہیں کیا۔ ایک طرح سے سات دفعہ منتخب ہونے والی پارلیمنٹ نے وفاقی شرعی عدالت کی افادیت کی توثیق کر دی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت از خود بھی یا کسی عام شہری کی درخواست پر یا وفاقی اور صوبائی

حکومتوں کی گزارشات پر کسی بھی ملکی قانون کا جائزہ لے کر فیصلہ صادر کر سکتی ہے کہ آیا یہ قانون قرآن وسنت کے احکامات کے منافی تو نہیں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے کسی فیصلے کے خلاف حکومت سپریم کورٹ کے شریعت اپیلنٹ بنچ کے روبرو اپیل کر سکتی ہے اور شریعت اپیلنٹ بنچ کے فیصلہ کے بعد حکومت پابند ہو گی کہ وہ وقتِ مقررہ میں اسلامی احکامات کے مطابق قانون سازی کرے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت کا قوانین کو اسلامی احکامات کے قالب میں ڈھالنے کے لیے سب اداروں کے مقابلے میں مؤثر کردار ہے۔

آئینِ پاکستان کی جتنی بھی اسلامی دفعات ہیں وہ دراصل تحریکِ پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ جب پاکستان کی اساس ہی اسلامی نظریہ ہے اور جب صدر سے لے کر وزیراعظم تک اور پارلیمنٹ کا ہر رکن بھی یہ حلف اٹھاتا ہے کہ:

"وہ اسلامی نظریے کے تحفظ کی بھرپور کوشش کرے گا جو تخلیق پاکستان کی بنیاد ہے۔"

تو پھر بات حلف سے عمل کی طرف بھی بڑھنی چاہیے۔ یہ بات باعثِ طمانیت ہے کہ آئینِ پاکستان میں نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے لیے موزوں دفعات موجود ہیں۔ نظریۂ پاکستان ہمارے ملک کی بھی اساس ہے اور آئینِ پاکستان کی بھی۔ نظریۂ پاکستان کے خلاف خرافات کا اظہار میرے نزدیک پاکستان سے بغاوت اور آئینِ پاکستان سے غداری ہے۔ جس طرح آئین کو توڑنا یا معطل کرنا یا ایسا کرنے کی سازش کرنا ملک سے غداری ہے۔ اسی طرح نظریۂ پاکستان کے خلاف تحریری یا تقریری پروپیگنڈا بھی ملک سے غداری ہے اور ایسے افراد کے خلاف بھی آئین کے آرٹیکل 6 کے مطابق ہی کارروائی ہونی چاہیے۔
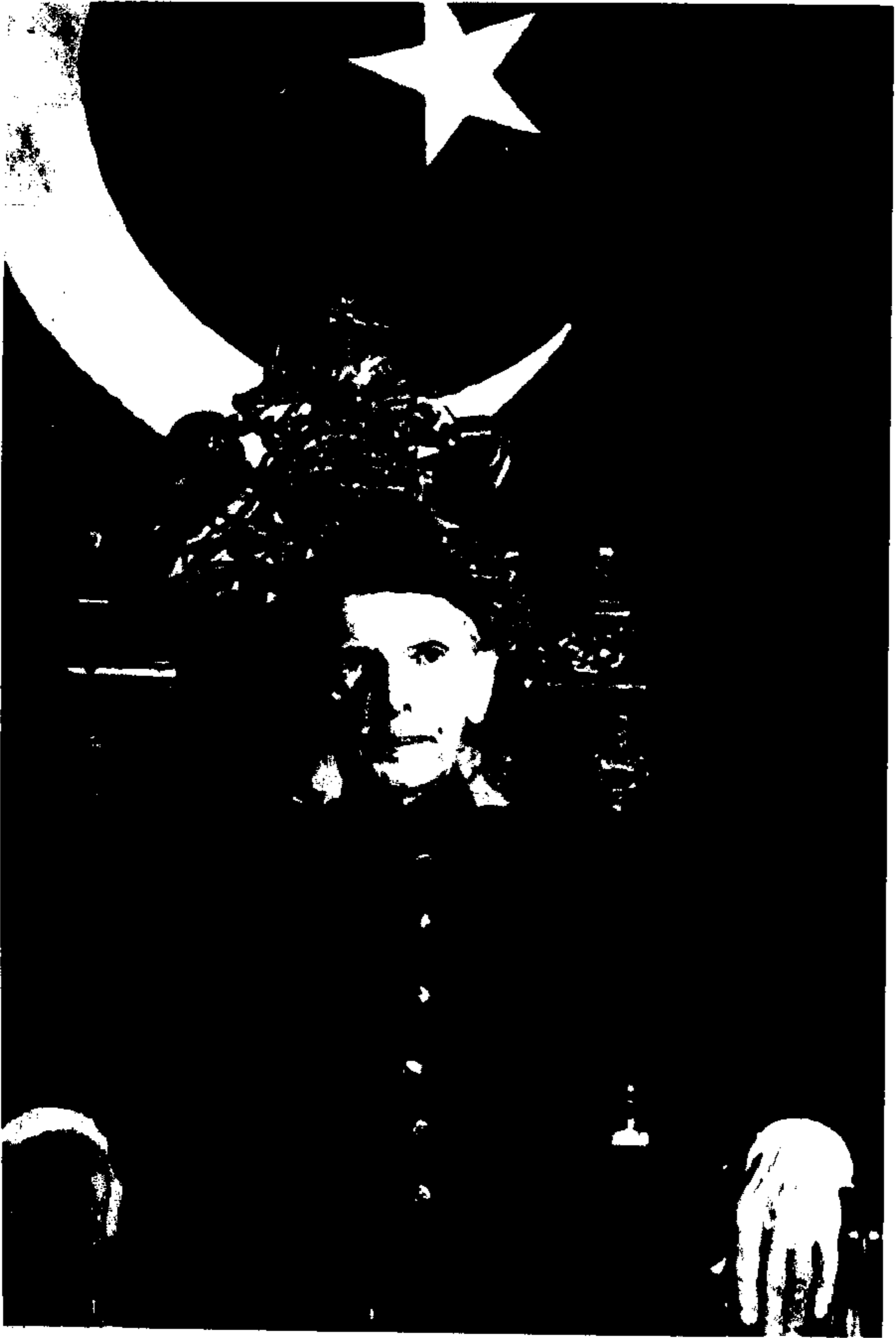
لیڈرانِ کرام اور نظریۂ پاکستان

ایک دور میں ریاض بٹالوی پاکستان کے ایک معروف صحافی تھے۔فیچر نگاری میں اُنھیں حد درجہ مہارت حاصل تھی اور صحافت کی اس صنف میں انھوں نے بہت شہرت پائی۔ 69-1968ء میں انھوں نے روزنامہ مشرق میں سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے انٹرویوز کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ انٹرویوز اخبار کے بعد ''لیڈرانِ کرام'' کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع کیے گئے۔

1970ء کے عام انتخابات سے پہلے کیے گئے ان انٹرویوز میں تقریباً تمام قومی راہنماؤں سے ریاض بٹالوی نے یہ استفسار ضرور کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ایک الگ وطن کے حصول کے لیے قائداعظمؒ کی قیادت میں جو جدوجہد کی تھی، اس جدوجہد اورتحریک کے بنیادی اسباب کیا تھے؟ تحریک پاکستان کے ایک راہنما اور قائداعظمؒ کے معتمد ساتھی اے ایچ اصفہانی نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اگرچہ برصغیر کے مسلمان ہندوؤں کی سیاسی اور اقتصادی غلامی سے بچنے کے لیے بھی الگ وطن حاصل کرنا چاہتے تھے،لیکن مطالبۂ پاکستان کی بنیاد یہ تھی کہ ہم ہندوؤں سے الگ قوم ہیں، ہمارا مذہب، ہماری معاشرت اور ہماری تہذیب ہندوؤں سے یکسر مختلف ہے۔ مسلم قومیت کا یہ شعور اور اسلامی جذبہ ہی ہندوستان سے علیحدگی کا اصل محرک تھا۔

اے ایچ اصفہانی نے مزید کہا کہ قائداعظمؒ پکے اور سچے مسلمان تھے اور جہاں

تک میں جانتا ہوں وہ پاکستان میں اسلامی عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم کرنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے 1940ء سے 1948ء تک جو تقاریر کیں وہ مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کی آئینہ دار ہیں۔ اسلامی نظریے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خواہش، اسلامی جمہوریت، مسلم قومیت اور اسلامی سماجی انصاف یہ ہیں وہ اسباب جو پاکستان کے حصول کی بنیاد بنے۔

سندھ سے تعلق رکھنے والے تحریک پاکستان کے ایک سرگرم لیڈر اور سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا قائداعظمؒ سیکولر نظام کے حامی تھے؟ تو اُن کا جواب تھا کہ قائداعظمؒ کو سیکولر نظام کا حامی قرار دینا نہ صرف زیادتی ہے بلکہ بانیٔ پاکستان کی عظیم قومی شخصیت کی توہین بھی۔ میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر آپ کو بتاتا ہوں کہ قائداعظمؒ مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد اور خودمختار مملکت قائم کرنا چاہتے تھے جہاں اسلامی عدل وانصاف پر مبنی نظام نافذ کیا جائے۔ قائداعظمؒ کے نزدیک پاکستان سے مراد ایک اسلامی ریاست تھی اور ظاہر ہے کہ ایک اسلامی ریاست کبھی سیکولر نہیں ہوتی۔

بیگم شاہنواز نے اپنے انٹرویو میں نظریۂ پاکستان یا دوسرے لفظوں میں حصولِ پاکستان کے اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ نظریۂ پاکستان کی مختصر تعریف ایک اسلامی مملکت کا قیام ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے حصولِ پاکستان کے لیے اس لیے جدوجہد کی تھی کہ وہ برصغیر میں اپنے لیے ایک ایسا گوشۂ عافیت چاہتے تھے جہاں وہ اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق ایک خوشحال اور مطمئن زندگی گزار سکیں۔ الحمد للہ ہم اس جدوجہد میں کامیاب ہو گئے۔ اب نظریۂ پاکستان کی تکمیل اس طرح ہو گی کہ ہم اپنے قول وفعل اور کردار واطوار سے دنیا پر یہ ثابت کردیں کہ اسلام پوری دنیا

کا نجات دہندہ بن کر اور دنیا کے ہر انسان کی راہنمائی کے لیے آیا ہے۔

ممتاز مسلم لیگی لیڈر سردار شوکت حیات نے قیامِ پاکستان کے مقصد کی تشریح درج ذیل الفاظ میں کی:

''قائد اعظمؒ پاکستان کے نام پر صحیح اسلامی رفاہی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خلافِ راشدہ کا طرزِ حکومت چونکہ اس مثالی نظام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا جس میں نسلی وراثت اور شخصی آمریت کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے وہ خالص جمہوری نظام تھا۔ رسولِ کریم ﷺ نے دینِ اسلام کی روشنی میں اس نظام کا ڈھانچہ ترتیب دیا اور خلفائے راشدین نے اس پر عمل کیا۔ قائد اعظمؒ حضرت عمرؓ کے دور کے نظامِ حکومت کا بطورِ خاص حوالہ دیا کرتے تھے۔ قائد اعظمؒ نے اپنے ساتھیوں سے مطالبہ پاکستان کے جو مقاصد بیان کیے، ان مقاصد میں وہ سب سے زیادہ زور اس بات پر دیتے تھے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کے درمیان اعتدال اور فلاح کا راستہ وہ ہے جو تیرہ سو سال قبل سرورِ کائناتؐ اور ان کے خلفاء نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ قائد اعظمؒ کے افکار وارشادات کی روشنی میں میں کسی شک اور تذبذب کے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان اسلام کی خاطر حاصل کیا گیا تھا اور اسلام میں فرد کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔''

سردار شوکت حیات نے مزید کہا کہ:

''گزشتہ دس بارہ سالوں سے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت عوام کے ذہنوں سے نظریۂ پاکستان کو نکال کر مادہ پرستی کے تصور کا زہر بھرا جا رہا ہے۔ اس سازش کی سب سے بڑی شکار نئی نسل ہوئی ہے۔ میری یہ دیانت

دارانہ رائے ہے کہ جب تک نوجوان نسل کو نظریۂ پاکستان کے بارے میں آگہی نہیں ہوگی اور وہ حصولِ پاکستان کے صحیح محرکات کو جان نہیں سکے گی تو وہ ملک کی سالمیت اور بقا کے تحفظ کے قابل نہیں ہو سکے گی۔''

کونسل مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز محمد دولتانہ نے پاکستان کے قیام کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قومی تشخص کی اساس اسلام پر ہے۔ پاکستان اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور حفاظت کے لیے قائم ہوا تھا اور اس کا وجود اسلامی روح سے عبارت ہے۔ اسلامی تصورات کے خلاف جانا نظریۂ پاکستان کی نفی کرنا ہے۔

نواب مشتاق احمد گورمانی نے کہا کہ قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں کے پیش نظر ایک ہی تصور تھا کہ ایک ایسے ملک کا قیام جہاں مسلمانوں کو اپنے عقیدے کے مطابق معاشرہ قائم کرنے کا مکمل حق اور اختیار حاصل ہو۔ گورمانی صاحب نے کہا کہ قیامِ پاکستان کے موقع پر مسلمانوں نے نظریۂ پاکستان کی تشریح خود ہی ایک نعرے میں کر دی تھی، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔ اس کے بعد کسی بحث کی گنجائش نہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئر مین ذوالفقار علی بھٹو نے ریاض بٹالوی کے مختلف سوالوں کے جواب میں کہا کہ اسلامی سوشلزم سے میری مراد کوئی الگ نظریہ نہیں۔ ہم اسلامی قوانین کی حدود کے اندر رہ کر ایک ایسا اقتصادی اور سماجی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی مساوات کی اصل روح اور نظریۂ پاکستان کے عین مطابق ہوگا، جیسا کہ قرار دادِ مقاصد میں صاف صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا گیا ہے کہ پاکستان میں جو بھی نظام قائم کیا جائے گا اس میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوگا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے انٹرویو میں مزید کہا کہ میرے نزدیک اسلام مکمل نظامِ حیات ہے اور اس میں اقتصادی، جمہوری، اخلاقی اور سماجی زندگی کا واضح تصور موجود

ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے اور ہم ملک میں کوئی ایسا نظام قائم کرنے کے حق میں نہیں جو ہمارے دین کے قوانین سے متصادم ہو۔

قائداعظمؒ مسلم لیگ کے سربراہ خان عبدالقیوم خاں نے بھی اپنے انٹرویو میں دو ٹوک انداز میں کہا کہ پاکستان کی اساس اسلام پر رکھی گئی ہے۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ اس خطے میں آباد مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ اگر ہم نظریۂ پاکستان کے حامی ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان میں کفر والحاد کی طاقتوں کو پنپنے کا موقع نہ دیں اور اسلام کی سربلندی، جمہوریت کی بقا اور ملک کی سالمیت کے لیے ہر حالت میں جدوجہد کریں۔

خان عبدالقیوم خاں نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اسلام میں قرآن کے پیش کردہ اقتصادی نظام کا واضح تصور موجود ہے اور اس نظام کے نفاذ ہی میں معاشرے کے ہر مسئلہ کا حل ہے۔ اسلام دولت جمع کرنے کے خلاف ہے۔ ناجائز اخراجات کی اجازت نہیں دیتا۔ فاضل دولت راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ خدمتِ خلق کو اوّلیت دیتا ہے۔ غربت اور افلاس کو دور کرنے پر زور دیتا ہے اور ریاست کو عوام الناس کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن اور پرانے مسلم لیگی لیڈر شیخ عبدالمجید سندھی نے کہا مسلمانوں کے لیے الگ وطن پاکستان کے کچھ سیاسی اور اقتصادی عوامل بھی تھے، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلم قومیت کا شعور اور اسلام کے نام پر اپنی الگ حکومت کا جذبہ بھی قیامِ پاکستان کا محرک بنا۔

مشرقی پاکستان کے سابق وزیراعلیٰ اور بزرگ سیاست دان نورالامین نے تحریک پاکستان کے بنیادی محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جسے

مٹانا ممکن نہیں ہے اور بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت یا مادی نظریہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، چونکہ اسلام کے نظامِ عدل اور مساوات کے ذریعے عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے اس لیے مسلمانوں کی طرف سے ایسے الگ وطن کا مطالبہ ہوا جہاں خدا کا قانون نافذ ہو اور شریعتِ رسول ﷺ کے مطابق معاشرے کی تعمیر وتربیت کی جائے۔ یہ سب کچھ متحدہ ہندوستان میں رہ کر ممکن نہیں تھا۔

پاکستان بھر کے جن ممتاز سیاست دانوں کے انٹرویوز کے اوپر حوالے دیئے گئے ہیں۔ اُن سب نے (ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ) قائد اعظمؒ کی قیادت میں تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ تحریک پاکستان کے پس منظر کو جاننے کے لیے اس سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اُن قومی راہنماؤں سے راہنمائی حاصل کی جائے جنھوں نے عملاً قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ میری خواہش تھی کہ چالیس اکتالیس سال پہلے کے ان انٹرویوز کا وہ حصہ نوجوان نسل کے لیے ایک کالم کی صورت میں محفوظ ہو جائے جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈرز نے قیامِ پاکستان کے محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔

آخر میں مَیں بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے تبرکات میں سے بھی اُن کی تقاریر کے چند اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے تحریک پاکستان کے اصل مقاصد کی پوری طرح وضاحت ہو جائے گی۔

''پاکستان کے تصور کو، جو اَب مسلمانوں کے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اُن (مسلمان قوم) کی حفاظت، نجات اور تقدیر کا راز اسی میں پوشیدہ ہے اور یہیں سے یہ آواز تمام عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مملکت بھی ہے جو اسلام کی عظمتِ رفتہ

کو ایک بار پھر زندہ کر دے گی۔“

(مارچ 1944ء)

”پاکستان کا مطلب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہمیں صرف اپنی آزادی ہی حاصل نہیں کرنی، بلکہ اس قابل بھی بننا ہے کہ مسلم آئیڈیالوجی کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔“

(جون 1945ء)

”پاکستان کا قیام ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدلِ عمرانی (سوشل جسٹس) کے اصول کو روبہ عمل لایا جا سکے۔“

(اکتوبر 1947ء)

”عوام کی خوشحالی کے مقصد کا حصول مغرب کے معاشی نظام کو اختیار کرنے سے کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہیے۔ جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو۔ صرف یہی وہ طریقہ ہے جس سے بطورِ مسلمان ہم اپنے فریضے سے عہدہ برآ ہو سکیں گے اور دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو نوعِ انسانی کی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو گا۔“

(جولائی 1948ء)

بادشاہی مسجد لاہور میں 31 سال تک خطابت کا اعزاز رکھنے والے نامور عالم دین مولانا غلام مرشد کی ناقابل فراموش تحریر

قائد اعظمؒ کا قرآنِ مجید کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا اور وہ اس بات میں کس قدر مخلص تھے، اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن میں اس میں ایک ذاتی واقعہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں، جسے میں نے اپنی شہادت کہہ کر پکارا ہے۔ 1945ء کے آخری ثلث کی بات ہے جب قائد اعظمؒ آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین کے ساتھ ممدوٹ ولاؔ (لاہور) میں قیام فرما تھے۔ ایک دن جب میں اپنے مکان میں بیٹھا ہوا تھا، قائد اعظمؒ کا ایک نمائندہ میرے پاس پہنچا اور کہا کہ قائد اعظمؒ نے مجھ خاکسار کو فوری طور پر یاد فرمایا ہے۔ میں فوراً چلنے کے لیے تیار ہوا، لیکن پھر خیال آیا کہ —— زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم —— میں انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتا اور قائد اعظمؒ شاید میری زبان کو پوری طرح سمجھ نہ پائیں تو باہمی گفتگو کا نقشہ کیا ہوگا، اتفاق سے اس وقت میرے پاس مسٹر ایم مسعود کھدر پوش (جو اس زمانے میں نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر تھے) بیٹھے تھے، میں نے ان کو ساتھ چلنے کے لیے کہا کہ وہ ترجمانی کے فرائض سر انجام دے سکیں۔ ہم ممدوٹ ولاؔ پہنچے تو قائد اعظمؒ ایک چھوٹے سے کمرے میں، جس کا دروازہ بڑے ہال کی طرف بھی کھلتا تھا، میرے منتظر بیٹھے تھے، سلام مسنون کے بعد انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمھیں ایک بڑے اہم دینی مقصد کے لیے بلایا ہے۔

جمعیت العلمائے ہند (دہلی) جس کے سرپرست مفتی کفایت اللہ (مرحوم) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) اور مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) جیسے نیشنلسٹ علماء، برسوں سے تحریک پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں۔ بہت سے علماء ہمارے ہمنوا بھی ہیں، لیکن ان کی کوئی تنظیم نہیں، کچھ عرصہ سے یہ کوشش جاری تھی کہ ان علماء پر مشتمل ایک متوازی جمعیت قائم کی جائے، اس کا مرکز کلکتہ تجویز پایا اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی قائم کر دی گئیں۔ اس کا افتتاحی اجلاس چند دنوں کے بعد کلکتہ میں ہونا قرار پایا۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں دعوت نامے بھی جاری کر دیئے اور مولانا راغب احسن (مرحوم) کے زیر سرکردگی جملہ انتظامات بھی مکمل کر لیے گئے، اس جمعیت کے نامزد صدر، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا افتتاح کرنا تھا کہ سوءِ اتفاق سے وہ دیوبند میں علیل ہو گئے ہیں۔ جمعیت کے اجلاس میں چند روز باقی ہیں، وہ اس میں شریک نہیں ہوسکیں گے۔

یہ پس منظر بیان کرنے کے بعد قائد اعظمؒ نے اپنے مخصوص ''جرنیلی'' انداز میں فرمایا کہ تم جلد از جلد خطبہ افتتاحیہ تیار کرو اور 25-24 اکتوبر تک کلکتہ پہنچ جاؤ، وہ ضابطہ کے اس قدر پابند تھے کہ انھوں نے کہا کہ تم ''شعبۂ عمومی سیاست'' میں میرے نائب کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کرو اور ضروری دینی خدمت کو سرانجام دو۔ خاکسار نے ان کی اس سرفرازی پر شکریہ ادا کیا اور اس ضرورت کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھ کر رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو جس شخص کے نائب بن کر تم وہاں جا رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بنیادی نکتے ذہن میں رکھ کر وہاں جاؤ۔ ان کے سامنے میز پر قرآنِ کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا، اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ: میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتاب عظیم میں دنیا اور آخرت کی

زندگیوں کے متعلق مکمل ضابطے اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی، معاشی اور اخلاقی، انمٹ اور دائمی قواعد موجود ہیں۔ عسکری تنظیم اور مملکت کے داخلی اور خارجی استحکام کے انمٹ قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کے جان و مال آبرو کی حفاظت کے ابدی ضوابط موجود ہیں، لیکن یہ قواعد اور ضوابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر متبدل رہیں گے، لیکن ان پر عمل پیرا اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ہوا جائے گا۔

اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے قواعد وضوابط مرتب کرے اور نافذ کرے۔ مثال کے طور پر انھوں نے کہا قرآنِ کریم میں کہا گیا ہے کہ جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے، اس پر میں نے جرأت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ذہن میں غالباً قرآنِ کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾۔ [سورۂ الشوریٰ:40]

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔''

اس پر انھوں نے فوراً قرآنِ مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہی میرے ذہن میں تھی، اس کے بعد کہا کہ دیکھو! یہ ایک اصولی حکم ہے اور ابدی۔ یہ دیکھنا اسلامی مملکت کا کام ہوگا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیے جو قرآن کے اس اصول کے مطابق ہو۔ سب سے پہلے رسول اللہؐ نے یہ ضمنی قوانین مرتب فرمائے۔

اس پر میں نے پھر سلسلہ کلام منقطع کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے ایسا خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا کہ:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ﴾۔ [سورۂ آل عمران:159]

''اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔''

انھوں نے پھر قرآنِ مجید کو کھولا اور اس آیت کو نکال کر کہا کہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ اگر قرآنِ مجید کے اصولی احکام کے جزئی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشاورت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد امت کو بھی اسی طرح تدوینِ قوانین کرنی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لیے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ص﴾۔ [سورۂ الشوریٰ:38]

''اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔''

انھوں نے پھر قرآنِ کریم سے یہ آیت نکالی اور کہا کہ خدا کی یہ ہدایت ہماری راہ نمائی کے لیے کس قدر واضح ہے۔ اسلامی مملکت جس کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آئین کی بنیاد یہی ہوگی۔

قائد اعظمؒ ان باتوں میں مصروف تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا کیونکہ مسلم لیگ کے اراکین ضروری کارروائی کے لیے مضطرب تھے۔ اس پر میں نے اٹھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں تمھیں کچھ نظائر معلوم ہوں تو مثال کے طور پر مجھے بتاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ سورۂ انفال کی پہلی آیت میں جنگ میں حاصل شدہ مال کے متعلق ایک اصولی حکم ہے کہ وہ مال ''اللہ اور رسول'' کا ہوگا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مختلف جنگوں میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم مختلف انداز سے ہوئی۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر ایک انداز سے، خیبر کی فتح کے بعد دوسرے انداز سے، جنگ حنین اور ہوازن میں جو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو آپ

نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے وہ سارے کا سارا مال ان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جو ابھی کچھ عرصہ سے فتح مکہ کے وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ اس پر بعض گوشوں میں کچھ باتیں بھی ہونے لگیں، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مصلحت سمجھائی تو وہ بیک زبان پکار اٹھے کہ رَضِینَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم مطمئن ہیں۔

وہ ان تفصیلات کو بڑے جذب وانہماک سے سن رہے تھے وہ اس گفتگو کے لیے زیادہ وقت دینا چاہتے تھے، لیکن مسلم لیگ کی کارروائی کے اصرار پر انھیں اسے مختصر کرنا پڑا۔ میں اٹھا تو فرمایا کہ جاتے جاتے ایک بنیادی نکتہ بھی ذہن میں لے کر جاؤ۔ کہا کہ میری نظر میں قرآنِ مجید کے فیصلے کے مطابق دو بدترین اور ناقابل معافی جرم ہیں۔ ایک شرک اور دوسرا تفرقہ۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر، خواہ سیاسی راہنماؤں کے نام پر ہو، وطنیت کے نام پر ہو، رنگ ونسل اور خون کے نام پر، بہر حال جرم عظیم ہے ان دونوں جرائم میں سے پہلے جرم (شرک) کی سزا اُخروی زندگی میں ملے گی، لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت وخواری، غلامی اور محکومی کی شکل میں ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مومن اور دوسرے کافر۔ اسی کا نام دو قومی نظریہ ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابل معافی جرم قرار پائے گا۔ اس نکتے کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا، جاؤ خدا حافظ۔

میں رخصت ہو کر آیا تو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جسے عام طور پر صرف ایک بیرسٹر سمجھا جاتا ہے اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری نگاہ ہے اور اس شخص کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چھینٹ تک دکھائی نہیں دیتی، کتنا بڑا کِذب وافترا ہے۔

میں نے حسب الارشاد خطبہ تیار کیا اور کلکتہ چلا گیا۔ ہم چار دن وہاں رہے لیکن کیفیت یہ تھی کہ قائد اعظمؒ جہاں بھی تھے ہم سے رابطہ قائم کیے رہے اور تفصیلات معلوم کرتے رہے۔ آخری اجلاس ختم ہونے سے پہلے ان کی طرف سے تنظیم کے متعلق بھی ضروری ہدایات موصول ہو گئیں اور قرار دادوں کے سلسلے میں بھی۔ ان قرار دادوں میں یہ کہا گیا تھا کہ:

1...... تحریکِ پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ پر ہے جو قرآنِ مجید کا عطا فرمودہ غیر متبدل اصول ہے۔

2...... اگر خدا نے تحریکِ پاکستان کو کامیابی عطا فرمائی تو اس سرزمین میں حضور خاتم النّبیین ﷺ کی طرز پر حکومت قائم ہو گی، جس کا نام خلافت علیٰ منہاج نبوتؐ ہو گا، بالفاظ دیگر اس حکومت کے ہر دائرے میں قرآنِ حکیم کی حکمرانی ہو گی۔

3...... اکھنڈ بھارت کی اسکیم کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا اور اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہ (اور ان کے علاوہ کچھ تنظیمی قرار دادیں) اس مردِ مومن کی ہدایات کے مطابق مرتب اور منظور کی گئیں جسے ایک گوشے سے ''کافرِ اعظم'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور دوسرے گوشے سے یہ آواز بلند کی جاتی تھی کہ اس اسکیم کے مطابق جو مملکت قائم ہو گی اس میں حکومت ہندوؤں کی کافرانہ حکومت سے بھی بدتر ہو گی۔

تشکیل پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ کے پیش نظر سب سے پہلے اور سب سے اہم مقصد اس سرزمین کی سرحدوں کا تحفظ تھا اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حسد اور تعصب نے پٹی نہیں باندھ دی، انھیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ایسا کرنا خود قرآنِ مجید ہی کے ارشاد کی تعمیل میں تھا، وہ تشکیلِ پاکستان کے بعد ایک سال تک زندہ رہے۔ زندہ

کیا، یوں کہیے کہ صرف سانس لیتے رہے اور جس مہلک مرض کا وہ شکار ہو گئے تھے، اسے ایک راز کی طرح سینے میں چھپائے رکھا، لیکن اس ایک سال کے عرصہ میں انھوں نے اندرونِ ملک کی تنظیم اور بیرونی خطرات کی مدافعت کے سلسلے میں جو کچھ کیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر نحیف ونزار مریض شخص محض قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر کیا کچھ کرسکتا ہے۔

میں مختلف مکتبوں اور دار العلوموں میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بڑی بڑی نامور ہستیوں سے شرفِ تلمذ اور تعارف حاصل رہا۔ میں نے سیاسی لیڈروں کو بھی دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی لیکن مجھے پوری زندگی میں قائداعظمؒ سے بڑھ کر کوئی شخصیت متاثر نہ کرسکی، میں نے ہر ایک کو ان سے کمتر پایا۔ بلندیٔ کردار کے اعتبار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے نہج سے بھی۔ اس قسم کے انسان صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کے خلاف ہذیان بک رہے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ چاند پر تھوکا خود اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کجا، سب مل کر بھی اس بطلِ جلیل کے غبارِ راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اسے اپنے سحابِ کرم کے سائے میں رکھے، آمین۔

(ماہنامہ طلوعِ اسلام، جولائی 1976ء)

............*